فضائل القرآن (۴)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

فضائل القرآن (نمبر۴)

تمام کُتبِ الہامیہ میں سے صرف قرآن کریم کو ہی کلام اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے

قرآن کریم کی کتبِ سابقہ پر فضیلت کی آٹھویں دلیل

(فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء بر موقع جلسہ سالانہ قادیان دارالامان)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

جس مضمون کے متعلق مَیں نے اپنے خیالات کے اظہار کرنے کا کل اعلان کیا تھا۔ وہ وہی مضمون ہے جس کے متعلق پچھلے تین سال سے مَیں تقریر کر رہا ہوں۔ اور جو فضائل القرآن کا مضمون ہے۔ یعنی قرآن کریم کو وہ کون سی فضیلتیں حاصل ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف انسانی بلکہ آسمانی کتابوں پر بھی وہ فوقیت رکھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی مضمون براہین احمدیہ میں شروع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ تین سو دلائل اس کے متعلق پیش کروں گا۔ میں نے اس کے متعلق غور کیا ہے اور اس غور کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ واقعہ میں وہ تین سَو دلائل بیان کئے جا سکتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتائے ہوئے علوم اور آپ کے لائے ہوئے نور سے مستفیض ہو کر براہین احمدیہ کی

اپنے فہم اور اپنے درجہ کے مطابق تشریح کی جاسکتی ہے۔

تفسیر القرآن کا دیباچہ

براہین احمدیہ میرے نزدیک تفسیر القرآن کا دیباچہ ہے۔ تفسیر القرآن لکھتے وقت پہلے جن مضامین پر سیر کن بحث کرنی چاہئے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہین احمدیہ میں شروع کیا تھا دل چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس کی ظاہری تکمیل بھی ہو جائے۔ باطنی تکمیل تو اللہ تعالیٰ نے کر دی تین سو دلائل چھوڑ کئی لاکھ آسمانی دلائل آپ نے پیش کر دیئے۔ لیکن جب آسمانی دلائل پیش ہو چکے تو ان ظاہری دلائل کو بھی پیش کر دینا سلسلہ کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ جی چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کو توفیق دے تو وہ براہین احمدیہ کا ظاہری مقصد بھی پورا کر دے۔

میں نے پہلے کچھ تمہیدی ریمارکس اس مضمون کے متعلق ۱۹۲۸ء میں بیان کئے تھے اور ۱۹۲۹۔۱۹۳۰ء کی تقریروں میں چھ دلیلیں قرآن کریم کی افضلیت کے متعلق بیان کی تھیں اور ۱۹۳۰ء کے جلسہ کے موقع پر ساتویں دلیل بیان کرنے سے پہلے ہی لمبا وقت ہو گیا تھا۔ اور ادھر مجھے ضعف ہونے لگ گیا تھا۔ اس وجہ سے اس تقریر کو جلد ختم کر دینا پڑا اس ساتویں دلیل کا ایک حصہ ابھی باقی تھا۔ اب میں اسے بیان کروں گا اور اس کے بعد آٹھویں دلیل شروع کروں گا۔

ساتویں دلیل کا بقیہ حصہ

میں اس مضمون پر پچھلے سال بیان کر رہا تھا کہ قرآن کریم نہ صرف اس لحاظ سے محفوظ ہے کہ کوئی انسانی ملاوٹ اس میں نہیں ہوئی بلکہ کوئی انسانی ملاوٹ اس میں ہو بھی نہیں سکتی۔ گویا قرآن کریم کو یہی فضیلت حاصل نہیں کہ باقی آسمانی کتابوں میں انسانی تصرّف ہو چکا ہے مگر اس میں نہیں ہؤا۔ بلکہ اس کی یہ بھی فضیلت ہے کہ دوسری کتابوں میں انسانی تصرف ممکن ہے مگر قرآن میں ممکن بھی نہیں۔ میں نے اس کے دو ثبوت پچھلے سال بیان کئے تھے اب میں تیسرا ثبوت اس امر کا کہ قرآن کریم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے اور کلام اللہ میں عقلاً انسانی تبدیلی ناممکن ہے۔ شاید اکثر لوگ حیران ہوں کہ کلام اللہ تو باقی کتابیں بھی ہیں۔ پھر قرآن کو یہ خصوصیت کس طرح حاصل ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ بھی کلام اللہ تھی۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء پر بھی خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوا۔ جب وہ بھی کلام اللہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان میں تو

نہ صرف تبدیلی ہو سکتی ہے بلکہ ہوئی اور قرآن میں نہ ہوئی بلکہ نہیں ہو سکتی ایک ہی چیز میں یہ فرق کیوں ہے؟

میں ابھی بتاؤں گا کہ یہ حیرت درحقیقت درست نہیں اور یہ قرآن کریم کی افضلیت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ یہ کلام اللہ ہے۔ اس وجہ سے قرآن نہ صرف غیر الہامی کتب سے افضل ہے یا الہامی کتب کی موجودہ شکل سے ممتاز ہے۔ بلکہ یہ اس کی ایسی فضیلت ہے کہ اس میں کبھی بھی کوئی کتاب اس کی شریک نہیں ہوئی۔

پہلی الہامی کتب کلام اللہ نہیں تھیں

یہ ایک غلط خیال ہے کہ پہلی الہامی کتب بھی کلام اللہ تھیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ موجودہ توریت کلام اللہ نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی۔ وہ بھی کلام اللہ نہ تھی۔ اسی طرح میرا یہ مطلب نہیں کہ موجودہ انجیل کلام اللہ نہیں۔ یہ تو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہی نہیں ہوئی مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت مسیح پر جو انجیل نازل ہوئی وہ موجود ہوتی تو بھی ہم یہی کہتے کہ وہ کلام اللہ نہیں۔ وہ کتاب اللہ تھی وہ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَسِيْحِ تھی مگر کلام اللہ نہ تھی۔ اسی طرح اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحف آج موجود ہوتے اور اگر حضرت نوح علیہ السلام کے صحف آج موجود ہوتے اور اگر ایک لفظ بھی ان میں کسی انسان کا داخل نہ ہوتا تب بھی وہ کلام اللہ نہ ہوتے۔ ہاں کتاب اللہ ہوتے۔ قرآن کریم میں کلام اللہ کا لفظ تین جگہ استعمال ہوا ہے۔ اور تینوں جگہ قرآن کے متعلق ہی استعمال ہوا ہے۔ اور قرآن ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کلام اللہ ہے۔

اول سورۃ توبہ رکوع اول میں آتا ہے۔ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ[1] خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے رسول! اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تجھ سے پناہ مانگے تو تُو اسے پناہ دے۔ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ یہاں تک کہ تیری صحبت میں رہ کر وہ کلام اللہ سن لے۔ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ پھر اسے امن کی جگہ پہنچا دو۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔ یہ اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ وہ قوم دین کا علم نہیں رکھتی اور جب تک علم دین حاصل نہ کرے گی کس طرح دین سیکھ سکے گی۔ گو کفار کے ساتھ لڑائی ہے۔ وہ تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ اور جنگ کی حالت میں غیر کو مارنے کا تمہیں حق حاصل ہے لیکن چونکہ تم مذہبی پیشوا ہو۔ اس لئے ہم تمہیں

حکم دیتے ہیں کہ حکومتوں کے دستور کے خلاف اگر کوئی غیر قوم کا فرد تمہارے پاس آئے اور کلام اللہ سننا چاہے۔ تو اسے سناؤ۔ اگر وہ نہ مانے اور واپس جانا چاہے تو اسے واپس پہنچا دو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِمَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ [۲] فرمایا۔ اے مسلمانو! کیا تم اس بات کی امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری باتیں مان لیں گے۔ بعض صحابہؓ سمجھتے تھے کہ یہود ہماری باتیں مان لیں گے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کی دوستیاں تھیں۔ تعلقات تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کیا تمہاری ایسی دوستی ہے کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں سے ایک جماعت آتی ہے۔ قرآن سنتی ہے۔ پھر یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ اس کا مفہوم سمجھنے کے بعد اور بات بنالیتی ہے۔ جو جھوٹ ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جب قرآن کے متعلق ان کا یہ حال ہے۔ تو تمہاری باتیں کہاں مان سکتے ہیں۔

بعض نے یہاں کلام اللہ سے تورات مراد لی ہے مگر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں کون سے ایسے یہودی علماء تھے کہ جن کی تحریف کوئی اثر رکھتی تھی۔ معمولی درجہ کے لوگ تھے۔ اگر کوئی سردار تھا تو محلّہ کے سردار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے مدینہ کے یہود کو خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ اگر وہ تورات کو بدل کر پیش کریں گے تو لوگ مان لیں گے۔ وہ یہی کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ کی صحبت میں آتے۔ قرآن کریم سنتے۔ اور پھر بالکل جھوٹی باتیں جاکر بیان کرتے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قادیان کے متعلق لوگ غلط بیانیاں کرتے تھے۔ فیروز پور کے علاقہ کے ایک شخص نے دوسروں سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ قادیان گیا تو مجھے مہمان خانہ میں ٹھیرایا گیا۔ ہمارے پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے حلوہ بھیجا ہے۔ اور کہا ہے کہ سب مہمانوں کو کھلا دو۔ باقی سب مہمانوں نے تو کھالیا لیکن میں نے موقع پاکر پھینک دیا۔ کچھ دیر بعد مرزا صاحب مجھے ساتھ لے کر فٹن میں سیر کو نکلے۔ (اس سے پتہ لگتا ہے کہ وہ قادیان آیا ہی نہیں تھا) رستہ میں مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ اور کہا میں ہی خدا ہوں۔ یہ سن کر میں نے لَاحَوْلَ پڑھا۔ اس پر ان کا رنگ فق ہوگیا۔ اور مولوی نور الدین صاحب کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ کیا اسے حلوہ نہیں کھلایا تھا؟ مولوی صاحب کا بھی رنگ اُڑ گیا۔ اور انہوں نے کہا میں نے تو حلوہ بھیج دیا تھا۔ نہ معلوم کیا

بات ہوئی۔ پھر میں وہاں سے بھاگ آیا۔ جس مجلس میں اس نے یہ بات سنائی۔ اسی میں ایک معزز غیر احمدی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔ یہ شخص بڑا ہی جھوٹا ہے۔ میں خود قادیان سے ہو آیا ہوں۔ اور یہ وہاں گیا ہی نہیں۔ وہاں تو یکّہ چلنا بھی مشکل ہے۔ فٹن اس کا باپ وہاں لے گیا تھا؟ اسی طرح وہ لوگ کرتے۔ کلام سنتے اور پھر کچھ کا کچھ جا کر دوسروں سے بیان کرتے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ انہی کے متعلق ہے یہ ہے کہ اگلی آیت میں آتا ہے۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ [۳] وہ مسلمانوں کے پاس آکر کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریف کرنے والے بھی رسول کریم ﷺ کے زمانہ کے لوگ تھے جو قرآن سن کر دوسروں کے سامنے جھوٹ بولتے اور کہتے کہ اس نے یوں کہا ہے۔ ووں کہا ہے۔ پھر اس جگہ فرماتا ہے۔ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ کلام اللہ سنتے ہیں۔ مگر یہودی کوئی کتاب نہیں سنتے تھے بلکہ پڑھتے تھے۔ اور اس میں فقرے داخل کرنے والا سن کر نہیں بلکہ پڑھ کر داخل کر سکتا ہے۔ اگر بائیبل مراد ہوتی تو يَقْرَءُوْنَ آتا۔ کیونکہ بائیبل تو وہ لوگ پڑھا کرتے تھے۔ پس یہاں تورات کا نہیں بلکہ قرآن کا ذکر ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے سن کر اور سمجھ کر ایسے رنگ میں بیان کرتے ہیں کہ لوگ مخالفت میں بڑھیں۔

تیسری آیت سورۃ فتح رکوع ۲ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ [۴] فرمایا۔ وہ لوگ جن کو پیچھے چھوڑا گیا ہے۔ جب تم جنگ کو جاتے ہو۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ فتوحات حاصل ہونگی اور غنیمتیں ملیں گی۔ تو کہتے ہیں۔ ہمیں بھی ساتھ لے چلو وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح خدا کے کلام کو بدل دیں۔ اگر تم ان کو ساتھ لے جاؤ گے تو وہ کہیں گے دیکھو انہوں نے خدا کے کلام کو بدل دیا ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ یہ نہیں جائیں گے۔ اور اگر نہ لے جاؤ گے تو کہیں گے یہ حریص ہیں۔ سب کچھ خود ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

غرض قرآن میں كَلَامَ اللّٰهِ کا لفظ تین جگہ آیا ہے۔ اور تینوں جگہ قرآن کریم کے متعلق ہی استعمال ہوا ہے۔ کسی اور کتاب کے متعلق نہیں۔ اس لئے عقلاً یہی کہا جائے گا کہ قرآن ہی كَلَامَ اللّٰهِ ہے۔ اور ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم بلا دلیل یہ خیال کریں کہ قرآن کریم

کے سوا کوئی اور آسمانی کتاب بھی کلام اللہ کے نام کی مستحق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام کلام اللہ نہیں رکھا گیا۔ پھر اس کو ہم کلام اللہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ میں آئندہ ثابت کروں گا کہ تاریخاً بھی ان میں سے کوئی کتاب کلام اللہ نہیں۔

قرآن کریم میں انبیاء کو کلمہ کہا گیا ہے۔ الہامات کو کلمات کہا گیا ہے۔ بلکہ کلمات اللہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ **كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا** [۵] موسیٰؑ سے خدا نے خوب اچھی طرح کلام کیا۔ لیکن باوجود اس کے حضرت موسیٰؑ کی کتاب جس کا بہت سی جگہ قرآن کریم میں ذکر آیا ہے۔ اسے کلام اللہ نہیں کہا گیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ **نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔** [۶] یعنی وہ لوگ جن کو کتاب اللہ دی گئی تھی انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا گویا کہ انہیں علم ہی نہیں۔ پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ اور کلام اللہ میں فرق ہے۔ کتاب اللہ ہر اس کتاب کو جس میں خدا کی باتیں ہوں کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کلام اللہ ہر ایک کو نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری الہامی کتابوں کو کتاب اللہ کہا گیا ہے۔ اور کتاب اللہ کا لفظ قرآن کے متعلق بھی موجود ہے مگر دوسرا لفظ کلام اللہ صرف قرآن کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ کسی اور کے لئے نہیں۔ یہ فرق ہے اور یہ بغیر حکمت کے نہیں۔

وحی الٰہی کی مختلف اقسام

اس فرق کو سمجھنے کیلئے یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء کی وحی کئی قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) ایک وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں کانوں میں پڑتی ہے۔ اور زبان پر جاری ہوتی ہے۔ مثلاً خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو سنایا۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ** [۷]۔ یہ الفاظ کان میں آواز کے طور پر پڑے۔ اور زبان پر جاری ہوئے۔ اس آیت کا ا، ل، ح، م، د اور ان کے اعراب سب خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک مضمون رسول کریم ﷺ کے دل میں ڈال دیا۔ بلکہ ہر حرف اور ہر لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ یہ وحی سب انبیاء پر نازل ہوئی۔

(۱) دوسری وحی رؤیا اور کشوف ہیں۔ یہ الفاظ میں نہیں بلکہ نظاروں میں ہوتی ہے۔ مثلاً رسول کریم ﷺ جب اُحد کی جنگ میں تشریف لے جانے لگے۔ تو آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کی تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔ اور دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تلوار کی شکستگی سے مراد فتح ہے جو مشتبہ ہوگی۔ اور گائے کے ذبح ہونے سے مراد یہ ہے

کہ کچھ احباب شہید ہونگے۔ یہ وحی بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی مگر فرق یہ ہے کہ پہلی وحی الفاظ میں تھی۔ اور یہ نظارہ میں ہے۔ اور نظارہ بیان کرتے وقت اپنے الفاظ بیان کرنے پڑتے ہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ اس بیان میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے۔

(۳) تیسری وحی خفی ہوتی ہے جو الفاظ میں نازل نہیں ہوتی۔ نہ نظارہ دکھایا جاتا ہے بلکہ تفہیم اور انکشاف کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی دل میں ڈالا جاتا ہے کہ یہ تمہارا خیال نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ڈالا گیا ہے اور الفاظ اس کو خود بنانے پڑتے ہیں۔ یہ سب سے ادنیٰ درجہ کی وحی ہے۔ اس سے بڑھ کر رؤیا اور کشف کی وحی ہوتی ہے۔ مگر اس میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے اور تاویل میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔ لیکن پہلی وحی جو الفاظ میں ہوتی ہے اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔

اب اگر ایک نبی اپنی تمام وحی کو ایک کتاب میں جمع کر دے جس میں وحی کلام بھی ہو۔ اور وحی کشف و رؤیا بھی ہو اور وحی خفی بھی نبی کے اپنے الفاظ میں ہو تو اسے ہم کتاب اللہ تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہم اسے کلام اللہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ سب کی سب کلام اللہ نہیں بلکہ اس میں ایک حد تک کلامِ بشر بھی ہے گو مضمون سب کا سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اس وجہ سے وہ کتاب کتاب اللہ ہے۔

اب اس فرق کو مد نظر رکھ کر دیکھ لو۔ دنیا کی کوئی کتاب خواہ کسی قوم کی ہو اور کس قدر ہی شدّ و مدّ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہو کلام اللہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایک بھی ایسی کتاب نہیں نہ موجودہ صورت میں اور نہ اس صورت میں جس طرح کسی نبی نے دی تھی کہ اس کے تمام کے تمام الفاظ خدا تعالیٰ کے ہوں۔ اس میں بعض الفاظ خدا تعالیٰ کے ہونگے بعض نظارے ہونگے اور بعض مفہوم بیان کئے گئے ہونگے۔ اگر آج ہم تورات سے ان زوائد کو نکال دیں جو یہودیوں نے اپنی طرف سے ملا دیئے ہیں۔ مثلاً اس میں لکھا ہے کہ۔

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔" ☆ لے

تب بھی تورات کلام اللہ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ۔

"اس وقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں آگ کے شعلے میں اس پر ظاہر ہوا۔ اس نے

نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے۔ اور وہ جل نہیں جاتا۔"۸؎

یہی حال حضرت عیسیٰؑ اور باقی انبیاءؑ کی کتابوں کا ہے۔ پس اگر ان کتب میں سے ہم ان زوائد کو نکال بھی دیں جو بعد میں لوگوں نے داخل کر دیئے ہیں تو بھی حضرت موسیٰؑ کی کتاب اس وقت جب کہ حضرت موسیٰؑ نے اسے ترتیب دیا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کی کتاب اس وقت جب کہ حضرت عیسیٰؑ نے اسے بیان کیا۔ اور وید جب کہ وہ نازل ہوئے کلام اللہ نہ تھے۔ اگر دوسروں کی باتیں ان میں نہ تھیں تو رسولوں کی اپنی باتیں تو ضرور تھیں۔ غرض اپنی سلامتی کے زمانہ میں بھی وہ کلام اللہ نہیں تھیں۔

یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ کیا فضیلت ہے۔ اگر حضرت موسیٰؑ چاہتے تو وہ بھی کلام اللہ کو الگ جمع کر سکتے تھے۔ اگر تورات سے حضرت موسیٰؑ کا کلام اور انجیل سے حضرت عیسیٰؑ کا کلام نکال لیا جائے تو کیا یہ کتابیں قرآن کریم کے برابر ہو جائیں گی؟ میں کہوں گا نہیں۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰؑ ایسا کر سکتے تو کیوں نہ کر دیتے۔ اگر حضرت موسیٰؑ کیلئے ممکن ہوتا کہ الفاظ والی وحی کو الگ کر کے کتاب بنا دیتے تو کیوں نہ کر دیتے؟ اسی طرح اگر حضرت عیسیٰؑ کے لئے ممکن ہوتا تو وہ بھی کیوں نہ کر دیتے۔ یہ فضیلت صرف رسول کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ ساری کی ساری شریعت آپؐ کو وحی کے الفاظ میں عطا ہوئی۔ باقی سب انبیاء کی کتب میں کچھ کلامِ الٰہی تھا۔ کچھ نظارے تھے اور کچھ مفہوم جسے انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اگر وہ نظاروں اور مفہوم کے حصہ کو علیحدہ کر دیتے تو ان کی کتابیں نامکمل ہو جاتیں کیونکہ ان کا سارا دین کلامُ اللہ میں محصور نہیں۔ کچھ رؤیا اور کشوف ہیں اور کچھ وحی خفی کے ذریعہ سے تھا۔ اگر وہ کلامُ اللہ کو الگ کرتے۔ تو ان کا دین ناقص رہ جاتا۔ برخلاف اس کے قرآن کریم میں سب دین آگیا ہے۔ اور کلام اللہ میں ہی سب دین محصور ہے۔ پس قرآن کے سوا اور کسی نبی کی کتاب کا نام کلامُ اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نام صرف قرآن کریم کا ہی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اکمل بنانا تھا اسلام کو اکمل دین اور قرآن کو آخری کلام بنانا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اسے ایسا محفوظ بناتا کہ کوئی مطلب فوت نہ ہو۔ اور اس کی ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ عالم الغیب خدا کے الفاظ میں سب کچھ بیان ہو۔ رؤیا اور کشوف میں جھگڑے اور اختلاف پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت اسلامیہ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں اتار کر اس کا نام کلام اللہ رکھا اور کہہ دیا کہ اس کے سب الفاظ خدا

تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے سوا اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کے الفاظ سے نئے نئے مضامین نکلتے چلے آئیں۔ صرف قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس کے مطالب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ رات دن قرآن کریم کو پڑھو۔ قرآن کے حقائق کبھی ختم نہ ہونگے۔ اس کی حکمتیں نکلتی چلی آتی ہیں اور ہر لفظ پُر حکمت معلوم ہوتا ہے۔ پرانے زمانہ کی کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک تھیلی ہوتی تھی جس میں سے ہر قسم کے کھانے نکلتے آتے تھے۔ مگر یہ تو وہمی اور خیالی بات تھی۔ قرآن کریم واقع میں ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ دوسری کتب میں یہ بات نہیں۔ مثلاً مسیحی وغیرہ خود اقرار کرتے ہیں کہ اصل عبارتوں میں غلطیاں ہو گئی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ پہلے انبیاء پر کلام اللہ نازل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کا سب دین اور سب کتاب کلام اللہ میں محصور نہ ہوتے تھے۔

پہلی کتب میں بگاڑ پیدا ہونے کی وجہ

اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی کتب کے بگڑنے کا موجب بھی یہی ہوا کہ وہ کلام اللہ نہ تھیں۔ چونکہ ان میں خود انبیاء کی تشریحات اور رؤیا اور کشوف اور تفہیمات ان کے الفاظ میں ہوتے تھے اس لئے لوگوں کے دلوں میں حفاظت کا اس قدر گہرا خیال نہیں ہو سکتا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ کے صحابیوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰؑ پر وحی ہوئی جو انہوں نے لکھوا دی اور ساتھ ہی اپنا رؤیا اور کشف بھی لکھا دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھوا دیا کہ مجھے یہ خیال آیا جو الہامی خیال ہے تو ایسی باتوں سے ان کو جرأت ہوئی کہ جو بات توریت سے انہیں سوجھتی اسے بھی اس میں داخل کر دیتے۔ اور وہ خیال کرتے کہ اگر ہم نے اپنی تفہیم بطور یادداشت لکھ دی تو کیا حرج ہوا اور چونکہ ہر شخص اپنی تفہیم کو صحیح سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ اسے خدائی امر ہی سمجھتے تھے۔ اس طرح وہ کتب بگڑ گئیں۔ حالانکہ اگر وہ سمجھتے تو نبی کی تفہیم الہامی ہونے کی وجہ سے کتاب کا حصہ تھی۔ مگر ان کی نہیں۔ بلکہ اگر کسی دوسرے کی الہامی تفہیم بھی ہو تب بھی وہ پہلے نبی کی تفہیم کی طرح اس کتاب کا حصہ نہیں کہلا سکتی۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم ﷺ کے صحابہؓ نے دیکھا کہ جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ فرماتے۔ آج خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی ہوئی ہے۔ صحابہؓ کہتے لکھ لیں۔ آپؐ فرماتے لکھ لیا جائے۔ پھر فرماتے یہ کشف ہوا ہے یہ رؤیا تھی۔ آپؐ اس کا مفہوم بیان فرماتے اور کہتے یہ وحی میں نہ لکھا جائے۔ جب صحابہؓ دیکھتے کہ رسول کریم ﷺ خود بھی وحی میں کچھ نہیں بڑھا سکتے تو وہ سمجھتے کہ ہم

کس طرح اس میں کچھ داخل کر سکتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ اپنی طرف سے تو الگ رہا خدا تعالیٰ کی دوسری وحی کو جو رؤیا اور کشف کی شکل میں ہوتی یا جس کے ذریعہ کوئی مفہوم دل میں ڈالا جاتا وہ بھی اس میں شامل نہ کرتے تو ہم کس طرح اس وحی میں کچھ شامل کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے انبیاء چونکہ اپنی تشریحات' رؤیا' کشوف اور تفہیمات اپنے الفاظ میں درج کرتے تھے اس لئے ان کے پیروؤں کو اپنی تفہیمات درج کر دینے کی بھی جرأت ہو گئی۔

محققینِ بائیبل کا بھی یہی خیال ہے کہ صحفِ قدیمہ میں جو اضافہ ہوا۔ وہ اس طرح ہوا کہ جو بات کسی کو سوجھی وہ اس نے اس میں لکھ دی۔ لیکن قرآن کریم چونکہ خالص کلامُ اللہ ہے۔ رسول کریم ﷺ اپنے دوسرے الہامات یا کشوف یا رؤیا یا تفہیم اس میں داخل ہی نہ کرتے تھے۔ جس کا اثر صحابہؓ پر گہرا پڑا۔ اور وہ محسوس کرتے تھے۔ کہ اس کتاب میں کوئی اور بات نہیں ہونی چاہئے۔ حتّٰی کہ طرزِ تحریر اور وقف تک کو انہوں نے محفوظ رکھا۔ اور اس طرح بوجہ کلامُ اللہ ہونے کے قرآن کریم ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گیا۔

یہ امر کہ قرآن کریم کے کلامُ اللہ ہونے کا اثر اس کے تبدیل نہ ہونے پر خاص طور پر پڑا ہے مخالفوں تک نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے۔

A similar guarantee existed in the feelings of the people at large, in whose soul no principle was more deeply rooted than an awful reverence for the supposed word of God. [۹]

یعنی قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی یہ بھی گارنٹی ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں یہ بات نقش تھی کہ قرآن کا ہر شوشہ اور ہر لفظ خدا کی طرف سے ہے۔

دوسرا فائدہ کلام اللہ کے اس طرح جمع کرنے کا یہ ہوا کہ اس میں تاریخ اور تفہیم آ ہی نہیں سکتی۔ مثلاً قرآن میں یہ نہیں لکھا۔ کہ میں فلاں جگہ گیا اور وہاں یہ الہام ہوا۔ بلکہ اس کی عبارت اس طرح چلتی ہے کہ ہر لفظ بتاتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے بندہ اس میں کوئی اور کلام داخل ہی نہیں کر سکتا۔ اور اگر کرے تو بالکل بے جوڑ معلوم ہو گا۔ لیکن پہلی کتب میں چونکہ تفہیم بھی درج تھی اس لئے کسی کا تفہیم کو درج کرنا غلطی کو ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔

کلام اللہ کے نام میں منفرد کتاب صرف قرآن کریم ہے

غرض قرآن کریم کلام اللہ کے نام میں منفرد ہے۔ جس طرح کعبہ بیت اللہ کے نام میں دوسرے بیوت سے منفرد ہے۔ خدا تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو بیت اللہ قرار دیا ہے اور قرآن کو کلام اللہ قرار دیا ہے۔ کعبہ کو بھی یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے بنوایا تھا۔ اگر دوسرے مقامات کو بھی خدا تعالیٰ بنواتا تو وہ منسوخ نہ ہوتے۔ چونکہ دوسرے گھروں نے منسوخ ہونا تھا اس لئے انہیں یہ نام نہ دیا گیا۔ اسی طرح قرآن کریم نے بھی چونکہ ہمیشہ قائم رہنا تھا۔ اسے بھی کلام اللہ کی صورت میں نازل کیا گیا اور اسے یہ نام دیا گیا تا کوئی اپنا کلام اس میں داخل نہ کر سکے۔

اگر کوئی کہے کہ آپ تو کہتے ہیں قرآن میں ساری شریعت موجود ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ قرآن بھی سنت اور حدیث کا محتاج ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن میں جو باتیں آئی ہیں رسول کریم ﷺ نے ان پر عمل کر کے دکھا دیا۔ اور احادیث رسول کریم ﷺ کی **تفہیمات** ہیں جو قرآن سے ہی حاصل ہوئیں کوئی زائد شئے نہیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى** [1] کہ محمد رسول اللہ ﷺ دین کی کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ جو کچھ بتاتے ہیں وحی الٰہی سے بتاتے ہیں۔ پس حدیث میں جو کچھ ہے وہ قرآن ہی کی تشریح اور تفہیم ہے۔

قرآن کریم کی افضلیت کی آٹھویں دلیل

اب میں قرآن کریم کی نضیلت کی آٹھویں دلیل بیان کرتا ہوں جو یہ ہے کہ ہر کلام جو نازل ہوتا ہے۔ اس کی عظمت اور افضلیت اس لانے والے کے ساتھ بھی تعلق رکھتی ہے جس کے ذریعے وہ آتا ہے۔ کیونکہ پیغامبر پیغام کی حیثیت سے بھیجے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک بادشاہ جس نے اپنے کمرہ کی صفائی کرانی ہے۔ وہ چوبدار سے کہے گا کہ صفائی کرنے والے کو بلاؤ۔ لیکن اگر اسے یہ کہنا ہو گا کہ فلاں بادشاہ کو ملاقات کیلئے بلاؤ۔ تو چوبدار سے نہیں کہے گا۔ بلکہ وزیر سے کہے گا اور وہ یہ پیغام پہنچائے گا کہ بادشاہ کی خواہش ہے کہ آپ سے ملاقات کریں۔

غرض پیغام کی افضلیت پیغامبر کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ سفراء جو بادشاہوں کے خطوط لے کر جاتے ہیں ان کے متعلق بھی یہ دیکھا جاتا ہے کہ بلند پایہ رکھنے والے ہوں۔

اسی طرح اعلیٰ درجہ کے کلام کو سمجھانے کیلئے اعلیٰ درجہ کے علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی کتاب علمی لحاظ سے بہت بلند مرتبہ رکھتی ہو تو اس کو پڑھانے والے کے لئے بھی اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہوگی۔ ایم۔ اے کے طلباء کو پڑھانے والا معمولی قابلیت کا آدمی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی جگہ کوئی پرائمری پاس پڑھانے کیلئے بھیجا جائے تو سمجھا جائے گا کہ ابتدائی قاعدہ پڑھایا جائے گا۔ اگر انٹرنس پاس بھیجا جاتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ چوتھی پانچویں جماعت کو پڑھائے گا۔ اگر گریجویٹ بھیجا جاتا ہے تو نویں دسویں کو پڑھائے گا۔ اور اگر مشہور ڈگری یافتہ بھیجا جائے تو سمجھا جائے گا کہ بڑی جماعتوں کیلئے ہے۔ اسی طرح الہامی کتاب لانے والے کی شخصیت سے بھی کتاب کی افضلیت یا عدمِ افضلیت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ لیکن اگر خود کتاب ہی اس کی افضلیت ثابت کردے تو یہ اور بھی اعلیٰ بات سمجھی جائے گی کہ اس نے اس شق میں بھی خود ہی ثبوت دے دیا اور کسی اور ثبوت کی محتاج نہ ہوئی۔ غرض چونکہ اس انسان کے چلن کا جس پر کتاب نازل ہوئی ہو کتاب کی اشاعت پر خاص اثر پڑتا ہے اس لئے وہی کتاب کامل ہو سکتی ہے جو اس کے کریکٹر کو نمایاں طور پر پیش کرے تاکہ لوگ اس کے منبع کی نسبت شُبہ میں نہ رہیں۔ پس یہ ثابت کرنے کیلئے کہ قرآن کا منبع مشتبہ نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی زبان پر جاری ہوا ہے یہ ضروری ہے کہ قرآن ثابت کرے کہ اس کے لانے والا ایک مقدس اور بے عیب انسان تھا کیونکہ جب تک یہ ثابت نہ ہو باوجود کتاب کے کامل و افضل ہونے کے انسان کے دل میں ایک شُبہ رہتا ہے کہ نہ معلوم اس کا لانے والا کیسا انسان تھا اور دوسرا شبہ یہ رہتا ہے کہ نہ معلوم اس کتاب نے اس کے پہلے مخاطب پر کیا اثر کیا۔ اگر اس پر اچھا اثر نہیں کیا تو ہم پر کیا اثر کرے گی۔ اور اگر اس نے اپنے پہلے مخاطب کو فائدہ نہیں پہنچایا تو ہمیں کیا پہنچا سکے گی۔ پس کتاب کی افضلیت پر بحث کرتے ہوئے ہمیں کتاب لانے والے کے اخلاق پر اور لانے والے کی افضلیت پر بحث کرتے ہوئے اس کے پیش کردہ خیالات پر ضرور بحث کرنی ہوگی۔

قرآن کریم کو یہ فضیلت بھی دوسری کتب پر حاصل ہے یعنی اس کا لانے والا انسان دوسرے انسانوں سے خواہ وہ کوئی ہوں افضل ہے۔ اور مزید افضلیت یہ ہے کہ قرآن کریم اس دلیل کے محفوظ رکھنے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے اس دلیل کو بھی خود اس نے ہی محفوظ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ میور جیسا متعصب انسان بھی لکھتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات کا بہترین منبع قرآن ہے۔ [۱۱] اس موقع پر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کرتا ہے

کہ کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن ☆۱۱ یعنی رسول کریم ﷺ کے اخلاق کے متعلق قرآن کو دیکھ لو۔ آپ کے تمام اخلاق قرآنی معیار کے مطابق تھے۔ پس قرآن کریم یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس نے کم از کم ایک شخص اپنے معیار کے مطابق پیدا کر لیا ہے اس لئے ہم اس کی تعلیم کے متعلق یہ شبہ نہیں کر سکتے کہ (۱) وہ قابلِ عمل نہیں (۲) یا یہ کہ اس نے اپنے لانے والے کی اصلاح نہیں کی تو دوسروں کی کیا کرے گا؟ کیونکہ محمد ﷺ نے اس پر عمل کیا اور اعلیٰ درجہ کے انسان بن گئے۔ پس کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ قرآن نے لانے والے کو کیا فائدہ پہنچایا کہ ہمیں پہنچائے گا۔

میں نے جو یہ بتایا ہے کہ الہامی کتاب کی افضلیت کی یہ بھی دلیل ہے کہ اس کا لانے والا دوسروں سے افضل ہو یہ بھی قرآن خود ہی بیان کرتا ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی پہلی زندگی بھی پاک اور کامل ہونی چاہئے اور دعویٰ کے بعد کی زندگی بھی مطابق وحی ہونی چاہئے۔ پہلی زندگی کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَاِذَا جَآءَ تْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَاللّٰهِ وَ عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ۱۲

فرمایا۔ ان لوگوں کے سامنے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کوئی نشان پیش کرتا ہے تو کہتے ہیں ہم کبھی نہیں مانیں گے جب تک ہمیں وہی کچھ نہ ملے جو اللہ کے رسولوں کو ملا۔ یعنی وحی اور الہام۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا ہر ایک پر وحی رسالت نازل کی جائے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کسے رسول بنانا چاہئے۔ وہ اس کے احوال اس کے افکار اور اس کے عادات دیکھتا ہے۔ جو سب سے اعلیٰ ہو اسے رسالت کا منصب دیتا ہے۔ تم جو یہ کہتے ہو کہ تمہیں بھی وہی کچھ ملنا چاہئے جو رسولوں کو ملتا ہے۔ کیا تم اپنی حالت کو نہیں دیکھتے۔ تم تو گندے ہو۔ اور گندوں کو ذلّت ہی ملا کرتی ہے۔ رسالت تو بہت بڑی عزت ہے۔ یہ پاک اور اعلیٰ پایہ کے انسان کو ملتی ہے تم کو تو تمہارے مکروں کی وجہ سے عذاب ملے گا۔ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ کر دیتا

ہے۔ وہ نیک کام کرتے وقت یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ اسی طرح ان سے سلوک کرتا ہے۔

اس میں بتایا کہ (۱) رسول بناتے وقت اللہ تعالیٰ اس آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ کیسا ہے۔ پس مجرموں کو رسالت نہیں مل سکتی۔ انہیں تو ذلّت ملے گی۔ رسالت تو بڑی بھاری عزت ہے۔ (۲) جو رسول بنتا ہے وہ پہلے بھی اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ الٰہی احکام کی فرمانبرداری اس کی طبیعت میں داخل ہوتی ہے۔ اور نیک تحریکوں کو قبول کرنے میں وہ پیش پیش ہوتا ہے۔

یہ گویا قرآن نے گُر بتایا کہ انبیاء کی پہلی زندگی اعلیٰ ہونی چاہئے۔ بیشک ایک ایسا شخص ولی ہو سکتا ہے۔ جو ایک زمانہ تک عیوب میں مبتلا رہا ہو۔ اور بعد میں اس نے توبہ کرلی ہو۔ لیکن نبوت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہی خاص طور پر اعلیٰ درجہ کی طہارت اسے حاصل ہو۔ (۲) اور نبوت کی زندگی کے متعلق فرمایا **فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّکَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ** [۱۳] جن لوگوں کو خدا کا قُرب حاصل ہوتا ہے۔ وہ رات دن اپنے اعمال سے دنیا کو بتاتے ہیں کہ خدا پاک ہے۔ یعنی انہیں جس قدر قُرب عطا ہو۔ اسی قدر وہ فرمانبردار ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح اپنے ہر عمل سے ظاہر کرتے ہیں اور دنیا کو بتاتے ہیں کہ خدا نے یونہی انہیں نہیں چُنا۔ گویا وہ اپنے اعمال سے خدا تعالیٰ کی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ خدا نے غلط انتخاب نہیں کیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی پاکیزہ زندگی

اب سوال یہ ہے کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے متعلق بھی اس عام قاعدہ کے پورا ہونے کا کہیں ذکر ہے؟ سو اس امر کے متعلق کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعویٰ سے پہلی زندگی بالکل پاک اور بے عیب تھی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** [۱۴] فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ کتاب پڑھ کر تمہیں نہ سناتا۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو کتاب ہی نہ بھیجتا اور نہ تمہیں اس تعلیم سے آگاہ کرتا۔ تمہیں علم ہے کہ میری زندگی کیسی پاکیزہ گذری ہے۔ معمولی عمر نہیں بلکہ چالیس سال کا لمبا عرصہ۔ تم اسے جانتے ہو اور اس پر کوئی عیب نہیں لگا سکتے۔ پھر کس طرح خیال کرسکتے ہو کہ اب میں نے جھوٹ بنا لیا۔ یہ پہلی

زندگی کے متعلق رسول کریم ﷺ کا اعلان ہے اور کفار کے مقابلہ میں اعلان ہے جس کا وہ انکار نہیں کرسکتے تھے۔

رسول کریم ﷺ کی اتباع میں خدا تعالیٰ کا قُرب

نبوت کی زندگی کے متعلق ہم قرآن کریم میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [۱۵] یہ رسول اس بات کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ قرآن نے اس کی زندگی پر کیا اثر کیا۔ اور یہ کسی ایک قوم یا ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کیلئے نمونہ ہے۔ جس کی انہیں پیروی کرنی چاہئے۔ ممکن ہے کوئی کہے کہ باقی انبیاء بھی ایسے ہی ہونگے۔ اس لئے قرآن کی ایک اور آیت میں پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ [۱۶] یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو ان سے کہہ دے (یہ الفاظ بھی رسول کریم ﷺ کی کتنی شانِ بلند کا اظہار کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ رسول کریم ﷺ کے منہ سے کہلواتا ہے تا کہ دنیا کیلئے ایک چیلنج ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ایک چیلنج دیا۔ اور کہا۔ ان سے کہو) اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔ اور تمہارے دل میں تڑپ ہے کہ اس کے محبوب بن جاؤ تو آؤ میں تمہیں ایسا گُر بتاؤں کہ تم عاشق ہو کر معشوق بن جاؤ اور وہ یہ ہے کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ جس طرح میں کام کرتا ہوں تم بھی کرو۔ یہاں اَطِيْعُوْنِیْ نہیں فرمایا بلکہ فَاتَّبِعُوْنِیْ فرمایا ہے۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو جیسے محمد رسول اللہ ﷺ عمل کر رہے ہیں ویسے ہی تم بھی کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو حکم دیں اس کی تعمیل کرو اس جگہ اتباع کا لفظ ہے جس کے معنی "قَفِیْ اَثَرَهٗ" کے ہوتے ہیں یعنی اس کے نقشِ قدم پر چلا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لئے اطاعت کا لفظ تو آتا ہے مگر اتباع کا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شرائع سے بالا ہے۔ لیکن رسول کیلئے اتباع اور اطاعت دونوں الفاظ آتے ہیں۔ یعنی وہ حکم بھی دیتا ہے اور ان پر خود بھی عمل کرتا ہے۔ پس فَاتَّبِعُوْنِیْ کے یہ معنی ہیں کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اطاعتِ الٰہی سے محبوب الٰہی بن گیا ہوں۔ اگر تم بھی میرے جیسے کام کرو گے تو تم بھی محبوبِ الٰہی بن جاؤ گے۔ گویا خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کا دوسرا نام رسول کریم ﷺ کے اعمال رکھا ہے۔

مخالفین اسلام کے اعتراضات کا ردّ

اس کے بعد میں ان بعض اعتراضات کو لیتا ہوں جو رسول کریم ﷺ کی ذات پر کئے گئے ہیں اور بتاتا ہوں کہ کس طرح قرآن کریم نے ان کو رد کر کے آپؐ کے بے عیب اور کامل ہونے کو ثابت کیا ہے۔ کیونکہ قرآن نے رسول کریم ﷺ کی پاکیزگی ثابت کرنے کا فرض خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ کسی بندہ پر نہیں چھوڑا۔ پہلا اعتراض جو رسول کریم ﷺ کی زندگی پر ہو سکتا تھا وہ یہ ہے کہ آپ کے دعویٰ کے موجبات و محرکات کیا تھے؟ یا یہ کہ قرآن پیش کرنے کا اصل باعث کیا تھا؟ کوئی کہتا آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ پاگل ہیں۔ کوئی کہتا اسے جھوٹی خوابیں آتی ہیں۔ کوئی کہتا ساحر ہیں۔ کوئی کہتا جھوٹ بولتے ہیں۔ کوئی کہتا کاہن ہیں۔ غرض مختلف قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے۔ یہی خیالات آج تک چلتے چلے آتے ہیں۔ جب بھی کوئی مصنّف رسول کریم ﷺ کے خلاف لکھتا ہے تو یہی کہتا ہے آپ جھوٹے تھے اور کوئی کہتا ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ مجنون تھے۔

پہلا اعتراض

میں سب سے پہلے جنون کے اعتراض کو لیتا ہوں۔ چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اتنی پاکیزہ تھی کہ منکر اس کے متعلق کوئی حرف گیری نہیں کر سکتے تھے اس لئے جب آپؐ کا کلام سنتے تو یہ نہ کہہ سکتے کہ آپؐ جھوٹے ہیں بلکہ یہ کہتے کہ پاگل ہے۔ چونکہ مشرکانہ خیالات ان لوگوں کے دلوں میں گڑے ہوئے تھے ادھر وہ سمجھتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹ نہیں بول سکتے اس لئے ان دونوں باتوں کے تصادم سے یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ اس کی عقل ماری گئی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ [۷] جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پیش کیا تو لوگوں نے حیران ہو کر کہ اب کس طرح انکار کریں یہ کہہ دیا کہ اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مجھ پر خدا کا کلام اُترا ہے تیرا دماغ پھر گیا ہے اور تو پاگل ہو گیا ہے اس کا جواب قرآن کریم میں اس طرح دیا گیا ہے کہ نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ۔ مَآاَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ۔ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ۔ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ۔ [۸] لوگ تجھے پاگل کہتے ہیں مگر ہم دوات اور قلم کو تیری سچائی کے لئے شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ پاگل آخر کسے کہتے ہیں۔ اسے جس کی عقل عام انسانوں کی عقل کی سطح سے نیچے ہوتی ہے۔ ورنہ پاگلوں میں بھی

کچھ نہ کچھ عقل تو ہوتی ہے۔ وہ کھانا کھاتے اور کپڑا پہنتے اور پانی پیتے ہیں۔ پاگل انہیں اس لئے کہتے ہیں کہ ادنیٰ معیار عقل جو قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے ان کی عقل کم ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو پاگل کہنے والوں کے متعلق فرماتا ہے۔ تم اسے پاگل کہتے ہو۔ مگر سب سے زیادہ عقلمند لکھنے پڑھنے والے عالم سمجھے جاتے ہیں اور مصنفین کو بڑا دانا تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ان عقلمندوں کی باتیں مقابلہ کیلئے لاؤ۔ دنیا کی تمام کتابیں جو اب تک لکھی جا چکی ہیں انہیں اکٹھا کر کے لاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو اپنی طرف سے لوگوں نے لکھی ہیں بلکہ فرمایا جو لکھی گئی ہیں۔ گویا مذہبی اور آسمانی کتابیں بھی لے آؤ۔ یا اعلیٰ درجہ کے علوم کی کتابیں جو لائبریریوں میں محفوظ رکھی جاتی ہیں وہ نکال کر لاؤ۔ اگر یہ سب کی سب کتابیں اس کے مقابلہ میں ہیچ ثابت ہوں تو انہیں ماننا چاہئے۔ کہ **مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ**۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے تو مجنون نہیں ہے۔

دیکھو! یہ کتنا بڑا دعویٰ ہے اور کتنی زبردست دلیل ہے۔ یہ اس زمانہ کے لوگوں کو دلیل دی۔ اور بعد میں آنے والوں کو یہ دلیل دی کہ **وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ**۔ آئندہ بھی جو لوگ تجھے پاگل کہیں گے ہم انہیں کہیں گے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اب تو تمہارے سامنے نہیں مگر اس کے کارناموں کے نتائج تمہارے سامنے ہیں۔ پاگل جو کام کرتا ہے اس کی کوئی جزا نہیں ہوتی۔ کیا جب کوئی پاگل بادشاہ بن جاتا ہے تو اسے کوئی ٹیکس ادا کیا کرتا ہے۔ یا ڈاکٹر بن جاتا ہے تو کوئی اس سے علاج کراتا ہے۔ یا کوئی نبی بنتا ہے تو کوئی اس کا مرید بنتا ہے؟ مگر رسول کریم ﷺ کے متعلق فرمایا کہ ہم اس کے کاموں کا وہ اجر دیں گے جو کبھی کاٹا نہیں جائے گا۔ کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جب اس کے اعمال کا اجر نہ مل رہا ہوگا۔ جب بھی کوئی پاگل ہونے کا اعتراض کرے۔ اس کے سامنے یہ بات رکھ دی جائے کہ پاگل کے کام کا تو نتیجہ اس وقت بھی نہیں نکلتا جب وہ کر رہا ہوتا ہے۔ مگر رسول کریم ﷺ کے متعلق دیکھو کہ کئی سو سال گذر جانے کے بعد بھی نتائج نکل رہے ہیں۔

پھر فرمایا۔ ہم ایک اور بات بتاتے ہیں۔ **وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ**۔ پاگل کو پاگل کہو تو وہ تھپڑ مارے گا۔ لیکن عقلمند برداشت کر لے گا۔ اگر یہ لوگ تجھے پاگل سمجھتے تو تیری مجلس میں آکر تجھے پاگل نہ کہتے بلکہ تجھ سے دور بھاگتے۔ یہ جو تیرے سامنے تجھے پاگل کہتے ہیں یہی ثبوت ہے اس بات کا کہ تُو پاگل نہیں ہے اور آئندہ آنے والوں کے لئے یہ ثبوت ہے کہ

یہ پاگل کہنے والوں کے متعلق تو یہ تعلیم دیتا ہے کہ ان کے بُرا بھلا کہنے پر چُپ رہو۔ کیا ایسا بھی کوئی پاگل ہوتا ہے جو صرف آپ ہی پاگل کہنے والوں کے مقابلہ میں اپنے جوش کو نہ دبائے بلکہ آئندہ نسلوں کو بھی یہ ہدایت کر جائے کہ مخالفوں کو برا بھلا نہ کہنا۔ فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ پس عنقریب تو بھی دیکھ لے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ تم دونوں میں سے کون گمراہ ہے۔ اس دلیل میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ پاگل کو کبھی خدائی مدد نہیں ملتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی مدد سے کامیاب ہو رہے ہیں پھر ان کو پاگل کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض دوسرا اعتراض رسول کریم ﷺ پر اس حالت میں کیا گیا جب مخالفین نے دیکھا کہ پاگل کہنے پر عقلمند لوگ خود ہمیں پاگل کہیں گے۔ جب وہ یہ دیکھیں گے کہ جسے پاگل کہتے ہیں اس نے تو نہ کسی کو مارا ہے نہ پیٹا۔ بلکہ نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق دکھائے ہیں۔ پس انہوں نے سوچا کہ کوئی اور بات بناؤ۔ اس پر انہوں نے کہا۔ اسے پریشان خوابیں آتی ہیں اور ان کی وجہ سے دعویٰ کر بیٹھا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ان کے اس اعتراض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ[19] کہتے ہیں اس کا کلام اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ہے کچھ مشتبہ سی خوابیں ہیں جو اسے آتی ہیں۔ یعنی آدمی تو اچھا ہے۔ اس کی بعض باتیں پوری بھی ہو جاتی ہیں لیکن بعض بُری باتیں بھی اسے دکھائی دیتی ہیں۔ جنون اور اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ میں یہ فرق ہے کہ جنون میں بیداری میں دماغی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اَضۡغَاثُ میں نیند میں دماغی نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ مخالفین دیکھتے تھے کہ رسول کریم ﷺ کے معاملات میں کوئی نقص نہیں اس لئے کہتے کہ جنون سے مراد ظاہری جنون نہیں بلکہ خواب میں اسے ایسی باتیں نظر آتی ہیں۔ اس کا جواب قرآن کریم یہ دیتا ہے کہ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ[20] جن لوگوں کو اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ ہوتی ہیں کیا ان کی خوابوں میں قومی ترقی کا بھی سامان ہوتا ہے؟ پراگندہ خواب تو پراگندہ نتائج ہی پیدا کر سکتی ہے۔ مگر اس پر تو وہ کتاب نازل کی گئی ہے جو تمہارے لئے عزت اور شرف کا موجب ہے۔ کیا دماغ کی خرابی سے ایسی ہی تعلیم حاصل ہوتی ہے؟ تم اپنے آپ کو عقلمند کہتے ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟

تیسرا اعتراض پھر بعض اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ھٰذَا سَاحِرٌ ۲۱؎ کہ یہ جادو گر ہے۔ سِحْرٌ کے معنی عربی زبان میں جھوٹ کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر مخالفین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو الگ بھی جھوٹا کہا ہے۔ اس لئے اگر اس کے معنی جھوٹ کے ہوں تو اس کا جواب علیحدہ ہوگا۔ دوسرے معنی سِحْرٌ کے یہ ہوتے ہیں کہ باطن میں کچھ اور ہو اور ظاہری شکل میں کچھ اور دکھائی دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۲۲؎ اگر یہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا کوئی نشان دیکھتے ہیں تو اعراض کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ہم ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ یہ بڑا پرانا جادو ہے۔ آگے فرماتا ہے حِکْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۲۳؎ قرآن میں تو حکمت بالغہ ہے۔ قرآن میں ایسے مضامین ہیں جو دلوں میں تبدیلی پیدا کرنے والے ہیں۔ سِحْرٌ کے معنی تو یہ ہیں کہ ظاہر کو مسخ کر دیا جائے اور باطن آزاد رہے۔ مگر قرآن کا اثر تو یہ ہے کہ ظاہر کی بجائے دلوں کو بدلتا ہے۔ اس لئے اسے سِحْرٌ نہیں کہہ سکتے۔

یہ حکمت بالغہ ہے۔ یعنی حکمت کی ایسی باتیں ہیں جو دور تک اثر کرنے والی ہیں۔ یہ اندرونی جذبات اور افکار پر اثر ڈالتی ہیں۔ مگر ان لوگوں کو یہ انذار فائدہ نہیں دیتا۔

چوتھا اعتراض پھر بعض نے کہا کہ یہ ساحر تو معلوم نہیں ہوتا ہاں مسحور ضرور ہے۔ یعنی خود تو بڑا اچھا ہے۔ لیکن کسی نے اس پر سحر کر دیا ہے اس لئے یہ ایسی باتیں کہتا پھرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۲۴؎ یعنی ظالم لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان ایک مسحور کی اتباع کر رہے ہیں۔ کسی نے اس پر جادو کر دیا ہے جس کی وجہ سے اس کی عقل ماری گئی ہے۔

اس آیت سے پہلے ملائکہ کے نزول کے متعلق معترضین کا مطالبہ ہے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور خزانے عطا کرتے ہیں (ملائکہ سے الہام اور خزانے سے معارف قرآن مراد تھے) تو مخالفین نے کہا۔ کہ دیکھو اسے جو ملائکہ نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ مسحور ہے۔ فرشتے ہمیں نہیں نظر آتے۔ خزانے ہمیں نہیں دکھائی دیتے۔ مگر یہ کہتا ہے کہ مجھ پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اور خزانے مل رہے ہیں' کہاں ملے ہیں؟ یہ سحر کا ہی اثر ہے جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا - يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا - وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا - اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا - وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا - اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِيْنَ عَسِيْرًا - [۲۵]

یعنی یہ نادان کہتے ہیں کہ یہ مسحور ہے اور ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ ہمیں کیوں فرشتے نظر نہیں آتے۔ ہمیں کیوں خزانے دکھائی نہیں دیتے۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ ہم پر وہ فرشتے کیوں نہیں اترتے جن کے متعلق یہ کہتا ہے کہ مجھ پر اترتے ہیں۔ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا یا یہ کہتا ہے کہ میں اپنے رب کو دیکھتا ہوں۔ ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتا۔ یہ جاہل خیال کرتے ہیں کہ ہمیں چونکہ یہ چیزیں نظر نہیں آتیں اس لئے یہ جو ان کے دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو مسحور ہے۔ مگر یہ اپنے نفسوں کو نہیں دیکھتے۔ کیا ایسے گندوں کو خدا نظر آ سکتا ہے۔ انہوں نے بڑی سرکشی سے کام لیا ہے۔ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔ ان کو بھی فرشتے نظر آئیں گے مگر اور طرح۔ جب انہیں فرشتے نظر آئیں گے تو یہ کانوں کو ہاتھ لگائیں گے اور کہیں گے کہ کاش یہ ہمیں دکھائی نہ دیتے۔ اس دن مجرموں کے لئے خوشخبری نہیں ہوگی۔ بلکہ یہ گھبرا کر کہیں گے کہ ہم سے پرے ہی رہو۔ اسی طرح ہم بھی ان کو نظر تو آئیں گے مگر انعام دینے کیلئے نہیں بلکہ قَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ ہم ان کو تباہ کرنے کیلئے ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہونگے اور ان کی حکومت کو باریک ذروں کی طرح اڑا کر رکھ دیں گے۔ اور وہ جن کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایک مسحور کے پیچھے چل رہے ہیں۔ ان کے لئے وہ بڑی خوشی کا دن ہوگا۔ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا۔ ان کو نہایت اعلیٰ جگہ اور آرام دہ ٹھکانا ملے گا۔ اس کی آگے تفصیل بیان کی ہے۔ کہ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا۔ اس دن آسمان سے بارش برسے گی۔ اور بہت سے فرشتے اتارے جائیں گے۔ جیسے بدر کے موقع پر ہوا۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ۔ اس دن مکہ کی حکومت تباہ کر دی جائے گی۔ اور حکومت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ وَكَانَ يَوْمًا

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا۔ اور مکہ کی فتح کا دن کافروں پر بڑا سخت ہو گا۔

باقی رہے خزانے سو ان کے متعلق فرمایا۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا [۲۶] ہمارا یہ رسول قیامت کے دن اپنے خدا سے کہے گا کہ اے میرے رب! انہوں نے اگر حکومت نہ دیکھی تھی تو اس کے متعلق اعتراض کر لیتے۔ خزانے نہ دیکھے تھے تو اعتراض کر لیتے۔ فرشتے نہ دیکھے تھے تو اعتراض کر لیتے مگر یہ قرآن کو دیکھ کر کس طرح انکار کر سکتے تھے۔ مگر افسوس کہ اتنے بڑے قیمتی خزانہ کا بھی انہوں نے انکار کر دیا۔ حالانکہ یہ تو ان کو دکھائی دینے والی چیز تھی۔

سورۃ بنی اسرائیل میں بھی یہ ذکر ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسحور کہا جاتا تھا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ [۲۷] یعنی ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم ایک مسحور کی پیروی کر رہے ہو۔ پھر اس جگہ اور سورہ فرقان میں بھی اس کے معاً بعد یہ آیت آتی ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا [۲۸] یعنی دیکھ یہ کیسی باتیں تیرے لئے بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سارا زور تیرے پیش کردہ کلام کے ردّ میں لگا رہے ہیں۔ اور ناکامی اور نامرادی کی وجہ سے ان کی جانیں نکلی جارہی ہیں مگر پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ اس پر کسی جادو کا اثر ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر اس کمزور کے مقابلہ سے یہ لوگ کیوں عاجز آرہے ہیں۔ مسحور تو دوسروں کا تابع ہوتا ہے اور یہ لوگوں کو اپنے تابع کر رہا ہے۔ اور دوسرے تمام لوگ اس کے مقابل پر عاجز ہیں۔

مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس اعتراض میں مسلمان بھی کافروں کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ پر ایک دفعہ جادو کر دیا تھا۔ اور اس کے اثرات بڑے لمبے عرصہ تک آپ پر رہے۔ اور اس میں وہ امام بخاری کو بھی گھسیٹ لائے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں وہ صاف طور پر پڑھتے ہیں وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ [۲۹] خدا تعالیٰ تجھے لوگوں کے حملہ سے محفوظ رکھے گا۔ اگر لوگ رسول کریم ﷺ پر سحر کر سکتے تھے تو پھر يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کس طرح درست ہوا؟ ہم تو دیکھتے ہیں رسول کریم ﷺ تو الگ رہے۔ آپ کے غلاموں پر بھی کوئی سحر نہیں کر سکتا۔ ایک شخص نے ایک احمدی دوست سے بیان کیا کہ میں مسمریزم میں بڑا ماہر ہوں۔ ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ مرزا صاحب کے پاس جا کر ان پر مسمریزم کروں۔ اور لوگوں کے سامنے ان سے

عجیب و غریب حرکات کراؤں۔ یہ خیال کر کے مَیں ان کی مجلس میں گیا۔ اور ان پر توجہ ڈالنے لگا۔ مگر وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بڑے اطمینان کے ساتھ باتیں کرتے رہے اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ پھر مَیں نے اور زور لگایا۔ مگر پھر بھی کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر میں نے سارا زور لگایا اور کوشش کی کہ آپ پر اثر ڈالوں مگر اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک شیر مجھ پر حملہ کرنے لگا ہے۔ یہ دیکھ کر میں وہاں سے بھاگا۔ اور واپس چلا آیا۔ لاہور جا کر اس نے حضرت مسیح موعود کو خط لکھا کہ مَیں نے سمجھ لیا ہے کہ آپ بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ کسی نے اسے کہا۔ کہ تم نے ولی اللہ کس طرح سمجھ لیا۔ ہو سکتا ہے وہ مسمریزم میں تم سے زیادہ ماہر ہوں۔ اس نے کہا۔ مسمرائیزر کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاموش ہو کر دوسرے پر توجہ ڈالے۔ مگر وہ اس وقت دوسروں سے باتیں کرتے رہے تھے اس لئے وہ مسمرائیزر نہیں ہو سکتے۔

پانچواں اعتراض

ایک اعتراض یہ کیا گیا۔ کہ آپ کاہن ہیں۔ کاہن وہ لوگ ہوتے ہیں جو مختلف علامات سے آئندہ کی خبریں بتاتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ **وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔**[30] لوگ تجھے کاہن کہتے ہیں۔ حالانکہ تیرا کلام ایسا نہیں۔ مگر یہ لوگ بالکل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم میں جہاں دو جگہ مسحور کا ذکر آیا ہے وہاں دونوں جگہ یہ آیت بھی ساتھ آئی ہے کہ **اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔** اسی طرح کاہن کا لفظ بھی دو جگہ آیا ہے اور دونوں جگہ **ذکر** کا لفظ ساتھ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاہن اور مذکر دونوں اضداد میں سے ہیں۔ چنانچہ سورہ طُور رکوع ۲ میں آتا ہے۔ **فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ۔**[31] ان لوگوں کو نصیحت کر کیونکہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہے نہ مجنون۔ یعنی کاہن مذکّر نہیں ہو سکتا اور مذکّر کاہن نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کاہن درحقیقت ارڑپوپو ☆[31الف] کی قسم کے لوگوں کو کہتے ہیں جو بعض علامتوں وغیرہ سے اخبار غیبیہ بتاتے ہیں۔ چونکہ رسول کریم ﷺ غیب کی اخبار بتاتے تھے۔ بعض نادان آپؐ کو کاہن کہہ دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن کی اخبار تو محض اخبار ہوتی ہیں۔ اور اِس کی اخبار تذکیر کا پہلو رکھتی ہیں اور اصلاحِ نفس اور اصلاحِ قوم سے تعلق رکھتی ہیں تو پھر یہ کاہن کیونکر ہوا۔ کاہنوں کی خبریں تو ایسی ہی ہوتی ہیں جیسے مولوی برہان الدین صاحب **جہلمی** کو

ایک نے بتائی تھی۔ مولوی صاحب نے ایک دفعہ پردہ میں بیٹھ کر ایک ارڑپوپو کو اپنا ہاتھ دکھایا۔ اس نے آپ کو عورت سمجھ کر خاوند کے متعلق باتیں بتانی شروع کر دیں۔ جب وہ بہت کچھ بیان کر چکا تو مولوی صاحب نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اپنی داڑھی اس کے سامنے کر دی۔ یہ دیکھ کر وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور پھر کبھی اس محلّہ میں نہیں آیا۔

غرض کاہنوں کی خبریں محض خبریں ہی ہوتی ہیں کہ فلاں کے ہاں بیٹا ہو گا۔ فلاں مر جائے گا ان میں خدا تعالیٰ کی قدرت کا اظہار نہیں ہوتا۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ جو خبریں بتاتے ہیں ان کو کاہنوں والی خبریں نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو ایمان کو تازہ کرنے والی اور خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کے جلال کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ رسول کہتا ہے میں خدا کی طرف سے آیا ہوں جو میرا مقابلہ کرے گا وہ ناکام رہے گا۔ اور جو مجھے مان لے گا جیت جائے گا۔ مگر کوئی کاہن یہ نہیں کہہ سکتا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ** یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کاہن کا قول ہے۔ ان کی عقل ایسی ماری گئی ہے۔ کہ اتنی پیشگوئیاں سنتے ہیں جن میں خدا تعالیٰ کی قدرت اور جبروت کا اظہار ہے۔ مگر پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

دوسرا ردّ اس کا یہ فرمایا۔ **فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ۔ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ۔ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ۔** ۳۲؎ یعنی ہم شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں اس کو بھی جسے تم دیکھتے ہو اور اس کو بھی جسے تم نہیں دیکھتے۔ یعنی اس کے ظاہری اور باطنی دونوں حالات اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ قرآن ایک عزت والے رسول کا کلام ہے۔ ظاہری حالات کے لحاظ سے ایک بات میں کاہن اور شاعر دونوں مشترک ہوتے ہیں۔ شاعر بھی بڑے بڑے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اور سب کچھ بیان کرنے کے بعد ہاتھ پھیلا دیتا ہے۔ اسی طرح کاہن بھی خبریں بتا کر مانگتا پھرتا ہے۔ مگر فرمایا یہ رسول تو ایسا ہے جو اپنے پاس سے خرچ کرتا ہے۔ کاہن تو دوسروں سے مانگتا ہے۔ یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قرآن کو رسول کریم ﷺ کا کلام قرار دیا گیا ہے۔ یہاں رسول کہہ کر اس شبہ کو رد کر دیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ یہ آپ کا کلام نہیں کیونکہ رسول وہی ہوتا ہے جو دوسرے کا پیغام لائے اگر محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بیان کرتا تو آپ

کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ تو رسول ہے۔

تیسری دلیل یہ دی کہ کاہن تو اپنے اخبار کو اپنے علم کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے جفر، رمل، تیروں اور ہندسوں وغیرہ سے یہ یہ باتیں معلوم کی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف اپنی خبروں کو منسوب نہیں کرتا۔ مگر یہ رسول کہتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے کلام پا کر سناتا ہوں اور یہ اپنے کلام کو **تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** کہتا ہے۔

یہاں یہ بھی بتا دیا کہ کاہن ایسی باتیں بیان کرنے کی وجہ سے اس لئے سزا نہیں پاتا کہ وہ خدا پر تقوّل نہیں کرتا بلکہ اپنی طرف سے بیان کرتا ہے۔ مگر رسول کہتا ہے کہ خدا کی طرف سے مَیں بیان کرتا ہوں۔ اگر رسول جھوٹا ہو تو فوراً تباہ کر دیا جاتا ہے۔ پس یہ کاہن نہیں ہے بلکہ خدا کا سچا رسول ہے۔ اور اس پر جو کلام نازل ہوا ہے۔ یہ رب العالمین خدا کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اگر کہو کہ یہ اس طرح اپنی کہانت کو چھپاتا ہے تو یاد رکھو کہ جان بوجھ کر ایسا کرنے والا کبھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اگر یہ شخص ہماری طرف جھوٹا الہام منسوب کر دیتا۔ خواہ ایک ہی ہوتا تو ہم یقیناً اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور اس کی رگ جان کاٹ دیتے اور اس صورت میں تم میں سے کوئی بھی نہ ہوتا جو اسے خدا کے عذاب سے بچا سکتا۔

چھٹا اعتراض

ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ آپ شاعر ہیں۔ چنانچہ سورۃ انبیاء رکوع اول میں آتا ہے **بَلْ هُوَ شَاعِرٌ** کہ یہ فصیح باتیں بیان کر کے لوگوں پر اثر ڈال لیتا ہے۔ اس کا جواب سورۃ یٰسین رکوع ۵ میں یہ دیا کہ **وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ** ۳۳؎ یعنی ہم نے اسے شعر نہیں سکھایا۔ اور یہ تو اس کی شان کے مطابق بھی نہیں ہے۔ یہ تو **ذِكْرٌ** اور **قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ** ہے۔ کھول کھول کر باتیں سنانے والا ہے۔ یہ اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اُسے جس میں روحانی زندگی ہے ڈرائے اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اول قرآن شعر نہیں۔ ان لوگوں کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ نثر کو شعر کہتے ہیں۔ دوم۔ اگر کہیں کہ مجازی معنوں میں شعر کہتے ہیں کیونکہ شعر کے معنے ایسی چیز کے ہوتے ہیں جو اندر سے باہر آئے اور شعر کو اس لئے شعر کہا جاتا ہے کہ وہ جذبات کو اُبھارتا ہے تو اس کا جواب یہ دیا کہ **وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ** یہ تو اس کی شان کے ہی مطابق نہیں کہ اس قسم کی باتیں کرے۔ اس کی ساری زندگی دیکھ لو۔ شاعر کی غرض اپنے آپ کو

مشہور کرنا ہوتی ہے۔ مگر یہ تو کہتا ہے مِثْلُكُمْ میں تمہارے جیسا ہی انسان ہوں۔ پھر شاعران لوگوں کی مدح کرتا ہے جن سے اس نے کچھ حاصل کرنا ہوتا ہے۔ مگر یہ تو کہتا ہے کہ میں تم سے کچھ نہیں لیتا۔ نہ کچھ مانگتا ہوں۔ پس شاعری اور اس کا لایا ہوا کلام آپس میں کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ سوم۔ پھر اس میں ذکر ہے حالانکہ شعر ذکر نہیں ہوتا۔ یعنی شاعر اندرونی جذبات کو ابھارتا ہے۔ شہوت اور حسن پرستی کا ذکر کرتا ہے۔ مگر یہ ایسی باتوں کی مذمت کرتا ہے۔ چہارم۔ پھر یہ ایسا کلام ہے جو فطرت کے اعلیٰ محاسن کو بیدار کر کے جن کی فطرت صحیح ہوتی ہے۔ انہیں بدیوں سے بچاتا ہے۔ اور جو مُردہ ہوتے ہیں ان پر حجت تمام کرتا ہے۔ حالانکہ شاعر جذبات بہیمیہ کو اُبھارتا ہے۔ پس اسے مجازی طور پر بھی شعر نہیں کہہ سکتے۔

ساتواں اعتراض ساتواں اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ معلم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَ قَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ۔ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ۔[۳۴] فرمایا ان نامعقولوں کو کہاں سے نصیحت حاصل ہو گئی۔ حالانکہ ان کے پاس اعلیٰ درجہ کے معارف بیان کرنے والا رسول آیا۔ مگر یہ لوگ اس سے منہ پھیر کر چلے گئے۔ اور کہہ دیا کہ اسے کوئی اور سکھا جاتا ہے اور مجنون ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ایسا نادان ہے کہ لوگ اس کو اس کے باپ دادا کے دین کے خلاف باتیں بتا جاتے ہیں اور یہ آگے ان کو بیان کر دیتا ہے۔

بعض لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے اور اب تک کرتے ہیں کہ قرآن نہ آپ پر نازل ہوا۔ نہ آپ نے بنایا بلکہ کوئی اور شخص ان کو سکھا دیتا تھا۔ مکہ والے کہتے تھے کہ مکہ کا ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کس طرح اپنی قوم کے بتوں کی مذمّت کر سکتا ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں دوسری قوم کے نبیوں کی تعریف کر سکتا ہے اسے کوئی اور اس قسم کی باتیں سکھا جاتا ہے۔ جب وہ حضرت موسیٰؑ کی تعریف قرآن میں سنتے تو کہتے کہ کوئی یہودی سکھا گیا ہے اور جب حضرت عیسیٰؑ کی تعریف سنتے تو کہتے کوئی عیسائی بتا گیا ہے۔ اس میں ان کو اس بات سے بھی تائید مل جاتی کہ قرآن کریم میں پہلے انبیاء کے واقعات بھی بیان ہوئے ہیں۔ اس جگہ مجنون حقیقی معنوں میں نہیں آیا۔ بلکہ غصہ کا کلام ہے کیونکہ معلّم اور مجنون یکجا نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ کہ پاگل ہے۔ اتنا نہیں سمجھتا کہ لوگ اسے اپنے مذہب اور قوم کے خلاف باتیں سکھاتے ہیں۔

قرآن کریم میں دو جگہ بھی یہ ذکر آیا ہے۔ سورہ نحل رکوع ۱۴ میں ہے۔ قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ - وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ - [۳۵] فرمایا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) تو مخالفوں سے کہدے کہ قرآن کو روح القدس نے اُتارا ہے تیرے رب کی طرف سے ساری سچائیاں اس میں موجود ہیں۔ اور اس لئے اُتارا ہے کہ مومنوں کے دل مضبوط ہوں اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہو۔ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کسی اور نے قرآن سکھایا ہے مگر جس کی طرف وہ یہ بات منسوب کرتے ہیں وہ عجمی ہے (عجمی وہ ہوتا ہے جو عرب نہ ہو۔ یا عرب تو ہو مگر اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح عربی میں بیان نہ کرسکے) اور یہ جو کلام ہے یہ تو زبانِ عربی میں ہے اور وہ بھی معمولی نہیں بلکہ خوب کھول کھول کر بیان کرنے والی۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا - وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا - قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا [۳۶] یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ صرف ایک جھوٹ ہے۔ جو اس نے بنا لیا ہے اور اس بنانے میں کچھ اور بھی لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہ بات کہنے میں انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے۔ اور بڑا افترا باندھا ہے وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا اور وہ کہتے ہیں کہ اس میں پرانے قصے ہیں جو لکھوا لیتا ہے۔ یعنی دو جماعتیں ہیں ایک مضمون بناتی ہے اور ایک لکھ لکھ کر دیتی ہے۔ فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا پھر اس کی مجلس میں اسے خوب پڑھتے ہیں۔ تاکہ یاد ہو جائے قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہدے۔ اسے خدا نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے رازوں کو جاننے والا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا وہ بڑا بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس اعتراض میں آج کل عیسائی بھی شامل ہو گئے ہیں۔ اور بڑے بڑے مصنف مزے لے لے کر اسے بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیا پتہ تھا کہ عیسائیوں

اور یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ وہ عیسائی اور یہودی ہی تھے جو باتیں بنا کر ان کو دیتے تھے۔ چونکہ اب بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے اور اسے بہت اہمیت دی جاتی ہے اس لئے میں کسی قدر تفصیل سے اس کا جواب بیان کرتا ہوں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ اسے بشر سکھاتا ہے۔ اس بشر سے مراد جبر☆ ۳۶ رومی غلام تھا۔ جو عامر بن حضرمی کا غلام تھا۔ اس نے تورات اور انجیل پڑھی ہوئی تھی۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ تکلیف دینے لگے تو آپؐ اس کے پاس جا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اس پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا۔ دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ فرّا اور زجاج کہتے ہیں کہ **حویطب** ابن عبدالعزّٰی کا ایک غلام عائش یا **یعیش** نامی پہلی کتب پڑھا کرتا تھا۔ بعد میں پختہ مسلمان ہو گیا۔ اور رسول کریم ﷺ کی مجلس میں آتا تھا۔ اس کی نسبت لوگ یہ الزام لگاتے تھے۔ مقاتل اور ابن **جبیر** کا قول ہے کہ **ابو فکیہ** پر لوگ شبہ کرتے تھے ان کا نام یسار تھا۔ مذہباً یہودی تھے اور مکہ کی ایک عورت کے غلام تھے۔ بیہقی اور آدم بن ابی ایاس نے عبداللہ بن مسلم الحضرمی سے روایت لکھی ہے کہ ہمارے دو غلام یسار اور جبر نامی تھے دونوں نصرانی تھے اور عین التجر کے رہنے والے تھے۔ دونوں لوہار تھے۔ اور تلواریں بنایا کرتے تھے اور کام کرتے ہوئے انجیل پڑھا کرتے تھے۔ رسول کریم ﷺ وہاں سے گزرتے تو ان کے پاس ٹھہر جاتے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک غلام سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ **اِنَّکَ تُعَلِّمُ مُحَمَّدًا فَقَالَ لَا ھُوَ یُعَلِّمُنِیْ**۔ کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو سکھاتے ہو؟ اس نے کہا۔ میں نہیں سکھاتا بلکہ وہ مجھے سکھاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک اعجمی رومی غلام مکہ میں تھا۔ اس کا نام بلعام تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسلام سکھایا کرتے تھے اس پر قریش کہنے لگے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سکھاتا ہے۔ ۳۷

مسیحی مؤرخ لکھتے ہیں کہ غالباً آپ نے بحیرہ راہب سے سیکھا تھا۔ چونکہ مسیحی تاریخوں میں بحیرہ کا کہیں پتہ نہیں ملتا۔ اس وجہ سے ابتداءً تو وہ اس کے وجود سے ہی منکر تھے لیکن اب مسعودی کی ایک روایت کی وجہ سے وہ اس کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ اور اس اعتراض کے رنگ میں اس سے فائدہ اٹھانے لگے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ بحیرہ کو مسیحی لوگ سرگیس (SERGIUS) کہا کرتے تھے اور SERGIUS نامی ایک پادری کا پتہ مسیحی کتب میں مل جاتا ہے۔ پس اب وہ کہتے ہیں کہ اس شخص سے سیکھ کر رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے **نَعُوْذُ**

بِاللّٰہِ قرآن بنالیا۔ سیل (SALE) اس خیال کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بحیرہ کا مکہ جانا ثابت نہیں۔ اور یہ خیال کہ آپؐ نے جوانی میں دعویٰ سے بہت پہلے بحیرہ سے قرآن سیکھا ہو عقل کے خلاف ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مسیحیت کا کچھ علم سیکھا ہو۔

وہیری ان روایتوں سے خوش ہو کر کہتا ہے کہ خواہ ناموں میں اختلاف ہی ہو لیکن یہ روایت اتنی کثرت سے آتی ہے کہ اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بعض مسیحی اور یہودی آتے تھے۔ اور یہ کہ انہوں نے ان کی گفتگو سے خاص طور پر فائدہ اٹھایا اور جواب کی کمزوری بتاتی ہے کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے' ورنہ یہ کیا جواب ہوا کہ اس کی زبان اعجمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں بنا دیتا ہو۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اسے عربی میں ڈھال لیتے ہوں (وہ اپنے اس خیال کی تصدیق میں آرنلڈ کو بھی پیش کرتا ہے) اس کے بعد وہ لکھتا ہے:۔

"It is because of this that we do not hesitate to reiterate the old charge of deliberate imposture." [۳۸]

یعنی ہم یہ پرانا الزام دُہراتے ہوئے اپنے دل میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان بوجھ کر جھوٹ بنایا۔

اوپر کے مضمون سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ اس اعتراض کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ اور ان کے وارث مسیحیوں نے اس اہمیت کو اب تک قائم رکھا ہے۔ میں پہلے مسیحیوں کے اعتراضات کو لیتا ہوں۔ اور اس شخص کو جواب میں پیش کرتا ہوں جسے عیسائی خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ حضرت مسیح پر یہ اعتراض ہوا تھا۔ کہ ان کے ساتھ شیطان کا تعلق ہے اور دیوؤں کو اس کی مدد سے نکالتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"پھر وہ ایک گونگی بد روح کو نکال رہا تھا۔ اور جب وہ بد روح اُتر گئی تو ایسا ہوا کہ گونگا بولا اور لوگوں نے تعجب کیا۔ لیکن ان میں سے بعض نے کہا۔ یہ تو بد روحوں کے سردار بعل زبول کی مدد سے بد روحوں کو نکالتا ہے بعض اور لوگ آزمائش کے لئے اس سے ایک آسمانی نشان طلب کرنے لگے مگر اس نے ان کے خیالوں کو جان کر ان سے کہا کہ جس کسی بادشاہت میں پھوٹ پڑے وہ ویران ہو جاتی ہے اور جس گھر میں پھوٹ پڑے وہ برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر شیطان بھی اپنا مخالف ہو جائے تو اس کی

بادشاہت کس طرح قائم رہے گی۔ کیونکہ تم میری بابت کہتے ہو کہ یہ بدروحوں کو بعل زبول کی مدد سے نکالتا ہے۔"۳۹ ؎

یہاں حضرت مسیح نے ایک قانون پیش کیا ہے۔ جب ان کے متعلق کہا گیا کہ وہ شیطان کو شیطان کی مدد سے نکالتے ہیں تو انہوں نے کہا۔ شیطان شیطان کو کیوں نکالے گا؟ اس قانون کے ماتحت غور کرلو کہ کیا قرآن کسی یہودی یا عیسائی کا بنایا ہوا نظر آتا ہے۔ اگر کسی عیسائی کا بنایا ہوا ہوتا تو عیسائیت کے ردّ سے کس طرح بھرا ہوا ہوتا؟ اور اگر کسی یہودی نے بنایا ہوتا تو اس میں یہودیت کا کس طرح ردّ ہوتا؟ عیسائیت کا کوئی فرقہ بتادو اس کا رد قرآن سے دکھادیا جائیگا۔ اسی طرح کوئی یہودی فرقہ پیش کرو۔ اس کا ردّ قرآن میں موجود ہے۔ کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ کوئی عیسائی اور یہودی اپنے مذہب کی آپ تردید کرے گا۔ قرآن پورے طور پر عیسائیت کو ردّ کرتا ہے۔ ہم دور نہیں جاتے پہلی سورۃ میں ہی قرآن نے عیسائیت کی جڑیں اُکھیڑ کر رکھ دی ہیں۔ پہلی سورت جو رسول کریم ﷺ پر نازل ہوئی یہ ہے:۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی۔ اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی۔ اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجْعٰی۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی۔ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی۔ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْھُدٰٓی۔ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی۔ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ۔ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ۔ فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ۔ کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ۔ ۴۰ ؎

یہ سورۃ جو سب سے پہلی سورت ہے۔ اسی میں عیسائیت کے تمام مسائل کو رد کر دیا گیا ہے۔ پہلا حملہ عیسائیت پر یہ ہے کہ فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ عیسائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ انسان کی فطرت میں گناہ ہے۔ عیسائیت کہتی ہے۔ انسان فطرتاً گناہگار ہے اور عمل سے نیک نہیں بن سکتا۔ اس لئے مسیح کو جو پاک اور بے عیب تھا صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ اسی طرح وہ انسانوں کے گناہ اپنے اوپر اٹھا کر قربان ہو گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ انسان کی فطرت میں خدا کی محبت رکھی گئی ہے اور اس کی بناوٹ میں ہی خدا سے تعلق رکھا گیا ہے۔ اس طرح عیسائیت کا پہلا عقیدہ باطل کر دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ کفارہ کوئی چیز

نہیں ہے اس کی بنیاد اس امر پر ہے کہ انسان گناہ گار ہے۔ لیکن اسلام شروع ہی اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان نیک ہے اور اس کی فطرت میں خدا سے محبت رکھی گئی ہے نہ کہ گناہ۔

دوسرا جواب یہ دیا۔ کہ **اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ** خدا جو تیرا رب ہے اس کی یہ شان ہے کہ دوسری چیزوں میں جو صفات پائی جاتی ہیں ان سب سے اعلیٰ صفات اس میں جلوہ گر ہیں۔ عیسائیت کہتی ہے کہ خدا میں رحم کی صفت نہیں۔ وہ گناہگار کو نہیں بخش سکتا۔ مگر اسلام کہتا ہے۔ جب انسان اپنے قصور وار کو بخش سکتا ہے اور انسان میں عفو کی صفت ہے تو خدا کیوں نہیں بخش سکتا۔ اور اس میں کیوں یہ صفت نہیں۔ اس میں تو بدرجہ اتم یہ صفت ہے۔ کیونکہ وہ **اَکْرَم** ہے۔ یعنی تمام صفات حسنہ میں سب سے بڑھ کر ہے۔

تیسرا ردّ یہ کیا کہ فرمایا **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ**۔ عیسائیت کی تیسری بنیاد یہ ہے کہ شریعت لعنت ہے۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ شریعت میں وہ باتیں ہیں جو انسان عقل سے دریافت نہیں کر سکتا۔ انسان اپنی کوشش سے شرعی احکام نہیں بنا سکتے اس لئے شریعت آتی ہے۔

چوتھی زد عیسائیت پر یہ کی کہ فرمایا **کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی** انسان بڑا ہی سرکش ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے خدا کی شریعت کی ضرورت نہیں۔ میں خود اپنی راہنمائی کے سامان مہیا کر لونگا۔ یہ کہنے والے بہت نامعقول لوگ ہیں۔

پانچواں رد یہ کیا کہ فرمایا۔ **کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ**۔ ایسے لوگوں کی باتیں کبھی نہ سننا اور اللہ کی خوب عبادت اور فرمانبرداری کرنا۔ رسول کریم ﷺ کو فرمایا کہ کسی راہب کی بات نہ سننا جو شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے بلکہ خدا کی فرمانبرداری میں لگا رہ۔ گویا نجات اور قربِ الٰہی کا ذریعہ بجائے کسی کفارہ پر ایمان لانے کے سجدہ یعنی فرمانبرداری یا بالفاظ دیگر اسلام کو قرار دیا ہے۔

پس قرآن کی تو پہلی سورۃ نے ہی مسیحیت کو رد کیا ہے اور بادلیل رد کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ میں عیسائیت اور یہودیت کو ردّ کیا گیا ہے۔ پھر کیا کوئی شخص مان سکتا ہے کہ عیسائی اور یہودی اپنے مذہب کے خلاف خود دلائل بتایا کرتے تھے۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو عیسائی راہب اپنے مذہب کو ماننے والا ہوگا۔ یا نہ ماننے والا۔ اگر ماننے والا تھا تو اسے چاہئے تھا کہ اپنے مذہب کی تائید کرتا۔ نہ کہ اس کے خلاف باتیں بتاتا۔ اور اگر نہ ماننے والا تھا اور سمجھتا تھا کہ جو باتیں اس کے ذہن میں آئی ہیں وہ اعلیٰ درجہ کی ہیں تو اس نے ان کو خود اپنی

طرف منسوب کر کے کیوں نہ پیش کیا۔ اسے چاہئے تھا کہ اپنے نام پر کتاب لکھتا نہ کہ لکھ کر دوسرے کو دے دیتا۔

اب میں ان آیتوں اور ان میں مذکور جوابات کو لیتا ہوں۔ سورہ نحل کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کا اعتراض یہ تھا کہ اسے کوئی اور آدمی سکھاتا ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا ہے کہ وہ شخص تو عجمی ہے اور قرآن کی زبان عربی ہے۔ وہیری کہتا ہے کہ یہ جواب بالکل بوداہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ مضمون وہ عجمی بنا کر دیتا تھا۔ آگے عربی میں وہ خود ڈھال لیتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کے دوسرے جواب بھی ایسے ہی بودے ہوتے ہیں۔ اگر قرآن کی دوسری باتیں ارفع اور اعلیٰ ہیں تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ یہ جواب بھی ضرور اعلیٰ ہوگا۔ اور جو مطلب ہم سمجھتے ہیں وہ غلط ہوگا۔ دوسرے اگر یہ جواب بے جوڑ تھا تو کیوں مکہ والوں نے اسے ردّ نہ کر دیا اور کیوں وہیری والا جواب انہوں نے نہ دیا ان کا تو اپنا اعتراض تھا اور وہ اپنے اعتراض کا مطلب وہیری وغیرہ سے بہتر سمجھتے تھے۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تو بے معنی جواب ہے۔ مگر کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں آتا کہ مکہ والوں نے کہا ہو۔ یہ جواب بے جوڑ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جو اعتراض تھا اس کا جواب انہیں صحیح اور مسکت مل گیا تھا۔ اسی لئے وہ خاموش ہو گئے۔

اب رہا یہ امر کہ اچھا پھر سوال و جواب کا مطلب کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں کفار کا سوال ایک نہ تھا بلکہ دو تھے اور ان سوالوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی قرآنی جواب کو بے جوڑ قرار دے دیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کا ذکر سورۃ نحل میں ہے اور دوسرے کا سورۃ فرقان میں۔ سورۃ نحل کا وہ سوال نہیں جو سورۃ فرقان کا ہے۔ اور سورۃ فرقان میں وہ نہیں جو سورۃ نحل میں ہے۔ چنانچہ سورۃ نحل میں یہ اعتراض نقل ہے کہ ایک عجمی شخص آپؐ کو سکھاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا نام نہیں لیا۔ مگر یہ کہا ہے کہ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ ☆ ۴۰ کہ وہ جس کی طرف قرآن کو منسوب کرتے ہیں وہ عجمی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالف کسی خاص شخص کا نام لیتے تھے۔ پھر یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ وہ شخص معروف تھا اور مسلمان بھی اس شخص کا نام جانتے تھے۔

سورۃ فرقان کی آیت اس سے مختلف ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ کفار کسی خاص آدمی

کا نام لئے بغیر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک جماعت رسول کریم ﷺ کو سکھاتی ہے۔ اور رات دن آپ کے پاس رہتی ہے اور آپ بعض دوسرے لوگوں سے اس جماعت کے بتائے ہوئے واقعات کو لکھوا لیتے ہیں۔

یہ فرق نمایاں ہے۔ ایک میں ایک خاص شخص کا ذکر ہے اور دوسری میں غیر معیّن جماعت کا ذکر ہے۔ ایک میں صرف سیکھنے کا ذکر ہے اور دوسری میں بعض لوگوں سے لکھوانے کا بھی ذکر ہے۔ ایک میں محض تعلیم کا ذکر ہے اور دوسری میں پہلوں کے واقعات اور خیالات کے نقل کرنے کا ذکر ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ دونوں جگہ جواب الگ الگ دیا گیا ہے۔ یہ فرق اتنے نمایاں ہیں کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے دعویٰ کیا۔ تو شروع میں ہی بعض غلام آپ پر ایمان لے آئے تھے۔ وہ پہلے بت پرست یا عیسائی یا یہودی تھے۔ انہیں جب صبح و شام فرصت ملتی رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گھر پہنچ جاتے اور دوسرے صحابہؓ کے ساتھ دین سیکھتے۔ اور نمازیں پڑھتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک مکان پر یہ اجتماع ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ ایک دن اپنے گھر سے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا محمد جو صابی ہو گیا ہے اس کی خبر لینے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ انہوں نے کہا۔ کیا ہو گیا ہے؟ اس نے بتایا کہ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر وہ اپنی بہن کے گھر گئے۔ اور جا کر دستک دی۔ اس وقت ایک صحابیؓ ان کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ عمرؓ ہیں تو صحابیؓ کو چھپا دیا گیا اور بہن اور بہنوئی سامنے ہوئے۔ انہوں نے پوچھا کہ کس طرح آئے ہو۔ عمرؓ نے کہا۔ بتاؤ تم کیا کر رہے تھے۔ میں نے سنا ہے تم بھی صابی ہو گئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ یہ غلط ہے۔ ہم تو صابی نہیں ہوئے۔ عمرؓ نے کہا میں نے تو خود تمہاری آواز سنی ہے۔ تم کچھ پڑھ رہے تھے۔ اور بہنوئی پر حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر بہن آگے آ گئی۔ اور ضرب اس کے سر پر پڑی جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ اس پر انہوں نے بڑے جوش سے کہا۔ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر لو۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو چونکہ وہ ایک بہادر انسان تھے۔ اور ان کا وار ایک عورت پر پڑا جو اُن کی

بہن تھی۔ اس سے انہیں سخت شرمندگی محسوس ہوئی۔ اور انہوں نے کہا کہ تم جو کچھ پڑھ رہے تھے وہ مجھے بھی دکھاؤ۔ اس نے کہا۔ تم مشرک اور ناپاک ہو۔ پہلے جاکر نہاؤ۔ پھر بتائیں گے۔ چنانچہ وہ نہائے اور رہا سہا غصہ بھی دور ہو گیا۔ اس کے بعد قرآن کی جو آیات پڑھ رہے تھے وہ انہیں سنائی گئیں۔ حضرت عمرؓ کا دل ان کو سن کر پگھل گیا۔ اور وہ بے اختیار کہہ اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس وقت وہ صحابی جن کو انہوں نے چھپایا ہوا تھا۔ وہ بھی باہر آگئے حضرت عمرؓ نے کہا۔ بتاؤ تمہارا سردار کہاں ہے۔ میں اسکے پاس جانا چاہتا ہوں۔ انہیں بتایا گیا۔ کہ فلاں گھر میں مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ وہاں گئے۔ وہاں رسول کریم ﷺ اور بعض صحابہؓ موجود تھے اور دروازہ بند تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے دستک دی۔ تو صحابہؓ نے پوچھا کون ہے؟ حضرت عمرؓ نے اپنا نام بتایا تو صحابہؓ نے ڈرتے ہوئے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا۔ عمرؓ آیا ہے۔ دروازہ کے سوراخ سے انہوں نے دیکھا کہ تلوار ان کے گلے میں لٹکی ہوئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ دروازہ کھول دو۔ جب عمرؓ اندر داخل ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کا کرتہ پکڑ کر کہا۔ عمرؓ کس نیت سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ اسلام قبول کرنے کیلئے۔ آپ نے فرمایا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ ☆☆۴۰ یہ سن کر باقی صحابہؓ نے بھی زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی عادت تھی کہ صحابہؓ کو دین سکھانے کے لئے الگ مکان میں بلا لیتے۔ چونکہ آپ دروازہ بند کر کے بیٹھتے تھے تاکہ کفار شرارت نہ کریں۔ اس لئے کفار کے نزدیک اس قسم کا اجتماع بالکل عجیب بات تھی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ وہاں قرآن بنایا جاتا ہے۔ اور چونکہ انبیاءِ سابق کے بعض واقعات کی طرف قرآن کریم میں اشارہ تھا وہ یہ خیال کرتے کہ مسیحی اور یہودی غلام یہ باتیں ان لوگوں کو بتاتے ہیں۔ اور دوسرے صحابہؓ سے رسول کریم ﷺ لکھوا لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ۨ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا۔ یعنی منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بنالیا گیا ہے۔ اور کچھ لوگ اس میں مدد دیتے ہیں۔ مگر ان کا یہ اعتراض بالبداہت ظلم اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ کیونکہ کیا مسیحی غلام ایسا کر سکتے ہیں کہ خود اپنے دین پر ہنسی کرائیں۔ آخر انہیں اس کی کیا ضرورت ہے اور کیا فائدہ ہے کہ وہ اسی بات پر رات دن ماریں کھائیں اور گرم ریت پر گھسیٹے

جائیں اور ایک بے فائدہ فریب میں شامل ہوں۔ پس ایسے مخلص لوگوں پر یہ اعتراض کر کے ان لوگوں نے ظلم اور جھوٹ سے کام لیا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایسے لوگ ایسا جھوٹ بنا سکیں۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جن کو تم پرانے قصے سمجھتے ہو وہ قصے نہیں بلکہ آئندہ کے متعلق خبریں اور پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ [۱۴۱] تو کہہ دے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو آسمانوں اور زمین کے رازوں سے واقف ہے۔ کوئی انسان ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔ یہ تو غیب کی باتیں ہیں اور غیب خدا ہی جانتا ہے۔

اب ان جوابوں کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور مضبوط ہیں۔ اور وہیری کا خیال کس قدر بے معنی ہے۔ اگر یہاں بھی وہی اعتراض سورۃ نحل والا ہوتا تو اس کا وہی جواب کیوں نہ دیا جاتا جو وہاں دیا گیا ہے۔ آخر کیا وجہ تھی کہ اگر یہی سوال سورۃ نحل میں تھا تو اس کا جواب بقول وہیری کے بیہودہ دیا جاتا۔ ایک شخص جو صحیح جواب جانتا ہے اور وہ جواب دے بھی چکا ہے اسے وہ جواب چھوڑ کر اَور جواب دینے کی کیا ضرورت تھی۔ پس یہ جواب لغو نہیں بلکہ معترضین کی اپنی سمجھ ناقص ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ سورۃ نحل میں یہ سوال ہی نہیں کہ کوئی اسے مضمون بنا دیتا ہے۔ بلکہ یہ ذکر ہے کہ نادان لوگ ایک ایسے شخص کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ کو سکھاتا ہے جو خود عجمی تھا۔ یعنی اپنا مفہوم اچھی طرح بیان نہیں کر سکتا تھا۔ صرف تھوڑی سی عربی جانتا تھا۔ (عجمی کے یہ بھی معنی ہیں کہ جو اپنا مفہوم اچھی طرح ادا نہ کر سکے چنانچہ لغت میں یہ معنی بھی لکھے ہیں۔) اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ دوسرے کا قول انسان دو طرح نقل کر سکتا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اس کا مطلب سمجھ کر اپنے الفاظ میں ادا کر دے۔ اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اس کے الفاظ رٹ کر ادا کر دے۔ جیسے طوطا میاں مٹھو کہتا ہے۔ نقل انہی دو طریق سے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ جس شخص کی طرف تم یہ بات منسوب کرتے ہو۔ وہ اپنا مطلب عربی زبان میں پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ پس جب وہ مطلب ہی بیان نہیں کر سکتا تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مضامین کس طرح سمجھاتا ہے کہ وہ عربی میں اس کو بیان کر دیتے ہیں۔ یہ جواب ہے آدھے حصے کا۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اس کے قول کو نقل کیا جاتا۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ وہ تو عبرانی میں کہتا تھا اور اس کی بات اگر دہرائی جاتی تو عبرانی میں ہوتی۔ مگر قرآن تو عبرانی یا یونانی میں

نہیں جس میں تورات یا انجیل لکھی ہوئی ہیں بلکہ عربی میں ہے۔ پس جب نہ وہ شخص اپنا مطلب عربی میں ادا کر سکتا ہے نہ قرآن کسی دوسری زبان کی نقل ہے تو اس کی طرف یہ کتاب کس طرح منسوب کی جاسکتی ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اس وقت تک تورات اور انجیل کا کوئی ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہے کہ بعض صحابہؓ کو عبرانی اس لئے پڑھوائی گئی کہ وہ تورات و انجیل پڑھ سکیں۔ دوسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ مفسرین دنیا بھر کے علوم کا ذکر تفسیروں میں کرتے ہیں۔ مگر جب بائیبل کا حوالہ دیتے ہیں تو بالعموم غلط دیتے ہیں۔ جس کی وجہ یہی تھی کہ عربی میں بائیبل نہ تھی۔ وہ سن سنا کر لکھتے اس لئے غلط ہوتا۔

تیسرا ثبوت یہ ہے کہ بخاری میں ورقہ بن نوفل کے متعلق لکھا ہے کہ **كَانَ يَكْتُبُ الْكِتٰبَ بِالْعِبْرَانِيِّ** [۴۲] وہ عبرانی میں تورات لکھا کرتے تھے۔ گویا اس وقت توریت اور انجیل عربی میں نہ تھی۔ پس یقیناً وہ غلام عبرانی یا یونانی میں انجیل پڑھتا تھا۔ اور عربی میں اس کا مفہوم بیان نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح اس اعتراض کو ردّ کر دیا گیا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا کہ جبیر نے کہا تھا کہ **بَلْ هُوَ يُعَلِّمُنِىْ**۔ **جبیر** آخر کار مسلمان ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے مرتد ہونے پر اس کا راز کفار کو بتا دیا تھا۔ اور وہ اسے سخت تکالیف دیتے تھے۔ آخر فتح مکہ پر آنحضرت ﷺ نے روپیہ دے کر اسے آزاد کروا دیا۔ اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ میں نہیں سکھاتا بلکہ وہ مجھے سکھاتے تھے۔

آٹھواں اعتراض

آٹھواں اعتراض یہ تھا کہ اس کے ساتھ شیطان کا تعلق ہے۔ اور اس کی طرف سے اسے کلام حاصل ہوتا ہے۔ اور گو کفار کا کوئی قول اس اعتراض کے متعلق نقل نہیں کیا گیا۔ مگر اس اعتراض کے اشارے ضرور پائے جاتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ** [۴۳] شیطان اس کلام کو لیکر نہیں اُترے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ **وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ** [۴۴] یہ شیطان رجیم کا قول نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کا یہ بھی اعتراض تھا کہ اس پر شیطان اُترتا ہے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس اعتراض کو اور پکا کر دیا ہے۔ اور کفار کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کفارِ مکہ کے سردار جمع ہو کر رسول کریم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپؐ کے پاس ادنیٰ درجہ کے لوگ آتے ہیں اور بڑے لوگ آپ کی

باتیں نہیں سنتے۔ اگر آپ دین میں کچھ نرمی کر دیں تو ہم لوگ آپ کے پاس آکر بیٹھا کریں۔ اس طرح دوسرے لوگ بھی آپ کے پاس آنے لگیں گے۔ اس پر رسول کریم ﷺ کو خیال آیا کہ اگر ایسا کر دیا جائے تو پھر بڑے بڑے لوگ مان لیں گے۔ (مجھے کیا ہی لطف آیا اس شخص کے اس فقرہ سے جس کا نام نولڈکے ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ "معلوم ہوتا ہے۔ یہ روایت بنانے والے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے جیسا ہی بیوقوف سمجھتے تھے۔" غرض رسول کریم ﷺ کو نعوذ باللہ دین میں نرمی کرنے کا خیال آیا۔ اتنے میں آپ نماز پڑھنے لگے اور سورۃ نجم پڑھنی شروع کی۔ اس وقت شیطان نے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى۔ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى [۴۵] کے بعد یہ کلمات آپؑ کی زبان پر جاری کر دیئے کہ وَتِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى۔ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى کیا تم نے لات اور عُزّٰی اور منات کی حقیقت نہیں دیکھی۔ یہ بہت خوبصورت دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی بڑی امید ہے۔ چونکہ سورہ نجم کے آخر میں سجدہ آتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے سجدہ کیا۔ تو سب کفار نے بھی آپؑ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ آپؑ نے دین میں نرمی کر دی ہے۔ اور بتوں کو مان لیا ہے۔

اس روایت کو اتنے طریقوں سے بیان کیا گیا ہے کہ ابن حجر جیسے آدمی کہتے ہیں کہ اس کی تاویل کی ضرورت ہے۔ گو تاریخی طور پر یہ روایت بالکل غلط ہے۔ اور میں ثابت کر سکتا ہوں کہ یہ محض جھوٹ ہے مگر اس وقت میں کسی تاویل میں نہیں پڑتا۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن اس کے متعلق کیا کہتا ہے۔ اور کیا واقعہ میں رسول کریم ﷺ سے ایسا ہوا؟

اس موقع پر میں ایک مسلمان بزرگ کا قول بھی بیان کرتا ہوں جو مجھے بے انتہا پسند ہے میں تو جب بھی یہ قول پڑھتا ہوں ان کیلئے دعا کرتا ہوں۔ یہ بزرگ قاضی عیاض ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ شیطان نے رسول کریم ﷺ پر تو کوئی تصرف نہیں کیا البتہ بعض محدثین کے قلم سے شیطان نے یہ روایت لکھوا دی ہے۔ گویا اگر شیطان کا تسلّط کسی پر کرانا ہی ہے تو کیوں نہ محدثین پر کرایا جائے۔ رسول کریم ﷺ کو درمیان میں کیوں لایا جائے۔

بعض نادان کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورۃ نجم پڑھتے ہوئے یہ آیتیں بھی پڑھ دیں۔ اس پر جبریل نازل ہوا اور اس نے کہا۔ آپؑ نے یہ کیا کیا۔ میں تو یہ آیتیں نہیں لایا تھا یہ تو شیطان نے جاری کی ہیں۔ یہ معلوم کر کے رسول کریم ﷺ کو سخت فکر ہوا۔ خدا تعالیٰ

نے اس فکر کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ [۴۶] فرمایا۔ تم سے پہلے بھی کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا گیا کہ جب اس کے دل میں کوئی خواہش پیدا ہوئی ہو تو شیطان نے اس میں دخل نہ دے دیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی بات کو مٹا دیتا ہے۔ اور جو اس کی اپنی طرف سے ہوتی ہے اسے قائم رکھتا ہے۔

کہتے ہیں جب یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل کی تو رسول کریم ﷺ کی تسلی ہو گئی۔ تسلی کس طرح ہوئی اسی طرح جس طرح اس بڑھیا عورت کی ہو گئی تھی جس سے کسی نے پوچھا کہ کیا تم یہ چاہتی ہو کہ تمہارا کُبڑا پن دور ہو جائے یا یہ کہ دوسری عورتیں بھی تمہاری طرح کُبڑی ہو جائیں۔ اس نے کہا۔ مجھ پر تو دوسری عورتوں نے جس قدر ہنسی کرنی تھی کرلی ہے۔ اب باقی عورتیں بھی کُبڑی ہو جائیں تاکہ میں بھی ان پر ہنسوں۔

اس روایت کو درست قرار دینے والوں کے نزدیک رسول کریم ﷺ کی کس طرح تسلی ہوئی۔ اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو کہہ دیا کہ تم پر ہی شیطان کا قبضہ نہیں ہوا سب نبیوں پر ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ سن کر رسول کریم ﷺ کا فکر دور ہو گیا۔ کتنی نامعقول بات ہے۔ ان لوگوں نے کبھی اتنا بھی نہ سوچا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ شیطان کا ہر نبی اور رسول پر قبضہ پالینا بڑی حکمت کی بات ہے۔ اور پھر علیم کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

میں بیان کر رہا تھا کہ ایک بزرگ کے قول سے مجھے بڑا مزہ آتا ہے۔ ان کا نام قاضی عیاض ہے۔ وہ اس قسم کی روایتیں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے یہ تو پتہ لگ گیا کہ شیطان کا تصرف ہوا۔ مگر رسول کریم ﷺ پر نہیں بلکہ ان روایتوں کو نقل کرنے والوں کی قلموں پر ہوا ہے۔ یہ بہت ہی لطیف بات ہے۔

قرآن کریم نے اس کا جو جواب دیا ہے۔ وہ اسی جگہ موجود ہے جہاں کہتے ہیں کہ شیطان نے آیتیں نازل کیں۔ یعنی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى۔ وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى کے بعد کہتے ہیں کہ یہ آیات اتریں۔ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى۔ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى۔ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

مِنْ سُلْطَانٍ۔ ۴۷؎ فرمایا۔ کیا تم اپنے لئے تو بیٹے قرار دیتے ہو۔ اور خدا کے لئے۔ لات، منات اور عزیٰ بیٹیاں۔ یہ کس قدر بھونڈی تقسیم ہے جو تم نے کی۔ یہ نام تم نے اپنے طور پر رکھ لئے ہیں۔ خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوئے۔ خدا نے تو ان بتوں کے لئے اتارا ہی کچھ نہیں۔

کیا ان آیات کے بعد کوئی شخص ان فقروں کو درمیان میں شامل سمجھ سکتا ہے۔ پس یہ آیات ہی بتا رہی ہیں کہ ان میں وہ فقرے داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر کفار عربی تو جانتے تھے۔

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل آیتیں بھی اس حصہ کو رد کر رہی ہیں۔ فرمایا وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ۔ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ۔ ۴۸؎ یعنی اس میں شیطانی کلام کا اس قدر ردّ ہے کہ اسے شیطان اتار ہی کس طرح سکتا ہے۔ (۲) پھر اگر شیطان یا اس کے ساتھی اس میں کچھ ملانا چاہیں۔ تو ملا ہی نہیں سکتے۔ کہیں کوئی عبارت کھپ ہی نہیں سکتی جو کچھ ملائیں گے۔ بے جوڑ ہو گا۔ جیسا کہ یہاں ہوا ہے۔ پھر آگے چل کر فرماتا ہے۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ۔ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ۔ ۴۹؎ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس طرح اترتے ہیں۔ شیطان کا تعلق ہر اَفَّاک اور اَثِیْم کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی جو بڑا جھوٹ بولنے والا اور گنہگار ہو اس سے شیطان کا تعلق ہوتا ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق تو تم خود کہتے ہو کہ اس سے بڑھ کر سچا اور کوئی نہیں۔ اس کے امین ہونے کے بھی تم قائل ہو۔ پھر اس پر شیطان کا تصرف کس طرح ہو سکتا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ اِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۵۰؎ کہ شیطان تو اپنی وحی شیطانوں کی طرف کرتا ہے تاکہ وہ تم سے جھگڑیں مومنوں کی طرف نہیں کرتا۔

اب دیکھو وہ روایتیں جو بیان کی جاتی ہیں رسول کریم ﷺ پر کیسا خطرناک الزام لگاتی ہیں۔ شیطان تو اپنے دوست کو ہی کہے گا۔ کہ یہ ہتھیار لے جا اور لڑ۔ کسی مسلمان کو وہ اپنے خلاف کس طرح بتائے گا۔

اسی طرح سورۃ نحل رکوع ۱۳ میں آتا ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۔ ۵۱؎ یعنی شیطان کا مومنوں پر کوئی تسلط نہیں ہو سکتا جو خدا پر توکل رکھتے ہیں۔

شیطان کی حکومت تو انہی پر ہوتی ہے جو اس کے دوست ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ محمد ﷺ تو ساری عمر شرک کا ردّ کرتے رہے۔ ان سے شیطان کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

نواں اعتراض

نواں اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ یہ شخص مفتری اور کذّاب ہے۔ سورۃ صٓ میں آتا ہے۔ دشمنوں نے کہا۔ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ اسی طرح سورۃ نحل ۱۴ میں آتا ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ [۵۲] مخالف کہتے ہیں کہ تو مفتری ہے اللہ تعالیٰ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ [۵۳] فرمایا۔ یہ قرآن خدا کے سوا کسی اور سے بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ اس کے اندر تو پہلی کتابوں کی پیشگوئیوں کی تصدیق ہے۔ پھر اس کے اندر الہامی کتابوں کی تفصیل ہے اور اس میں شک کی کوئی بات نہیں۔ یہ کتاب ربّ العٰلمین کی طرف سے ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اپنے پاس سے بنالی ہے۔ ان سے کہو کہ تم اس جیسی کوئی ایک ہی سورت لے آو۔ اکیلے نہیں سب کو اپنی مدد کے لئے بلالو اگر تم واقع میں سچے ہو۔

قرآن کریم کے متعلق پانچ دعوے

اس آیت میں پانچ دعوے قرآن کریم کے متعلق پیش کئے گئے ہیں۔ اول یہ کہ قرآن اپنی دلیل آپ ہے اور اسے خدا کے سوا کوئی بنا ہی نہیں سکتا۔ اس میں ایسے امور ہیں جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں یعنی امور غیبیہ۔ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ [۵۴] کہ آسمان اور زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ قرآن میں غیب کی باتیں ہیں اور یہ خدا کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔

دوسرا دعویٰ یہ کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں۔

تیسرا یہ کہ اس میں پہلی کتابوں کی تشریح ہے۔

چوتھا یہ کہ ہر امر کو دلیل کے ساتھ ایسے رنگ میں بیان کرتا ہے کہ اس کے درست ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

پانچواں یہ کہ قرآن خدا کی صفت رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ کے ماتحت نازل ہوا ہے تاکہ اس کا

فیضان سب قوموں کیلئے وسیع ہو۔

فرماتا ہے۔ اگر قرآن افترا ہے تو ان پانچ صفات والی کوئی سورۃ پیش کرو۔ اگر ان صفات والی سورۃ لے آؤ گے تو ہم مان لیں گے کہ انسان ایسی کتاب بنا سکتا ہے۔ لیکن اگر تم سارے مل کر بھی نہ بنا سکو۔ تو معلوم ہوا کہ ایسی کتاب کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس سورۃ (یونس) میں یہ دعوے کئے گئے ہیں اس سے پہلے جس قدر قرآن اُتر چکا تھا۔ اس میں یہ پانچ باتیں پائی جاتی تھیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کیا قرآن کے اس حصہ میں یہ پانچوں باتیں ہیں۔ اگر ہیں تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔

علمِ غیب

پہلی بات یہ بیان فرمائی کہ قرآن میں وہ باتیں ہیں جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یعنی قرآن میں علم غیب ہے۔ اس کے لئے جب ہم قرآن کریم کو دیکھتے ہیں تو اس کی نہایت ابتدائی سورتوں میں سے ایک سورۃ کوثر ہے جو ایک عظیم الشان پیشگوئی پر مشتمل ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَالْاَبْتَرُ۔** رسول کریم ﷺ کے متعلق دشمن کہا کرتا کہ یہ ابتر ہے۔ اس کی کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ اس کے بعد اس کا جانشین کون بنے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سورۃ میں فرماتا ہے کہ تو ابتر نہیں بلکہ تیرا دشمن ابتر ہے۔ رسول کریم ﷺ کس طرح ابتر نہیں۔ اور آپ کا دشمن کس طرح ابتر ہے۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے **اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔** اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تیرے متعلق فیصلہ کر دیا ہے کہ ہم تجھے ایک عظیم الشان جماعت دیں گے۔ جو روحانی طور پر تیری فرزند ہوگی۔ اور اس میں بڑے بڑے اعلیٰ پایہ کے انسان ہوں گے۔ پھر فرماتا ہے۔ **فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔** اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اس خوشی میں خوب نمازیں پڑھ، دعائیں کر اور قربانیاں کر۔ پھر جب ہم تیری جماعت کو اور بڑھانے لگیں تو تُو اور عبادت کر اور قربانیاں کر۔ کیونکہ ہم تیری روحانی نسل کو بڑھانے والے ہیں۔ اور یہ روحانی نسل اس طرح بڑھے گی کہ ابو جہل کا بیٹا چھینیں گے اور تجھے دے دیں گے۔ وہ ابتر ہو جائے گا۔ اور تو اولاد والا ہو گا۔ یہی حال دوسروں کا ہو گا۔ ان کے بیٹے چھین چھین کر ہم تمہیں دے دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ان کے بیٹے رسول کریم ﷺ کو دیئے گئے۔ اور وہ روحانی لحاظ سے ابتر ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ جوں جوں رسول کریم ﷺ کو کامیابی ہوتی گئی۔ کفار زیادہ تکلیفیں دیتے گئے۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا جو سورۃ کوثر میں بیان کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ انبیاء رکوع ۴ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ ۵۵؎ فرمایا۔ کیا یہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ ہم ان کے ملک کو اس کے کناروں کی طرف سے چھوٹا کرتے جارہے ہیں۔ اور ہر روز اِن کی اولادیں محمد رسول اللہ ﷺ کو دے رہے ہیں۔ کیا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ غالب آئیں گے۔ وہ غالب کس طرح آسکتے ہیں جب کہ ہم ان کے جگر گوشے کاٹ کاٹ کر تیرے حوالے کرتے جارہے ہیں۔ اور انہی ابتر کہنے والوں کے بچے اور عزیز اسلام میں داخل ہو کر اس کی صداقت ظاہر کر رہے ہیں اور کفار کو بے اولاد اور آنحضرت ﷺ کو بااولاد ثابت کر رہے ہیں۔ چنانچہ مکہ کے بڑے بڑے خاندانوں کے جو بیٹے اور بھتیجے رسول کریم ﷺ کو دیئے گئے ان میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ارقم بن ابی ارقمؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ تھے۔ یہ لوگ ابتدا میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ اور وہ رؤساء جو رسول کریم ﷺ کو دکھ دینے میں سب سے بڑھے ہوئے تھے یہ ان کے بیٹے اور بھانجے اور بھتیجے تھے۔ ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے کفار کو اور زیادہ غصہ آتا کہ یہ اپنے باپ دادا کے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تائید کرتے ہیں۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ ولید بن مغیرہ کے عزیز تھے۔ اور اس نے ان کو پناہ دی ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ ایک دن باہر جارہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک مسلمان پر سخت ظلم کیا جارہا ہے۔ مگر آپ کو کسی نے کچھ نہ کہا۔ انہوں نے ولید کے پاس جاکر کہا کہ میں اب آپ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ میں یہ نہیں دیکھ سکتا کہ دوسرے مسلمانوں کو تو اس طرح دکھ دیا جائے اور میں آپ کی پناہ میں محفوظ رہوں۔ اللہ تعالیٰ مومن کے ایمان کی آزمائش کرتا ہے۔ ادھر انہوں نے پناہ ترک کی اور ادھر یہ حادثہ پیش آگیا کہ لبید جو ایک بہت بڑے شاعر تھے ایک مجلس میں شعر سنا رہے تھے۔ کہ ایک شعر انہوں نے پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہر چیز خدا کے سوا تباہ ہونے والی ہے اور ہر نعمت آخر میں زائل ہونے والی ہے۔ جب لبید نے پہلا مصرع پڑھا تو حضرت عثمانؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ اس پر لبید نے غصہ سے اس کی طرف دیکھا کہ ایک بچہ میرے کلام کی داد دے رہا ہے۔ اسے اس نے اپنی ہتک سمجھا اور کہا۔ اے مکہ والو! پہلے تو تم میں ایسے بدتہذیب لوگ نہ تھے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ انہوں نے

کہا۔ یہ بے وقوف بچہ ہے۔ اسے جانے دیں۔ حالانکہ بات یہ تھی کہ انہوں نے قرآن سنا ہوا تھا۔ اور اب ان کے نزدیک شعروں کی کچھ حقیقت ہی نہیں رہ گئی تھی۔ بلکہ خود لبید نے مسلمان ہونے پر یہی طریق اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ اپنے ایک گورنر کو کہلا بھیجا کہ مجھے بعض مشہور شعراء کا تازہ کلام بھجواؤ۔ جب ان سے اس خواہش کا اظہار کیا گیا۔ تو انہوں نے قرآن کریم کی چند آیات لکھ کر بھیج دیں۔

جب لبید نے دوسرا مصرع پڑھا اور کہا کہ ہر نعمت زائل ہونے والی ہے تو عثمانؓ نے کہا۔ یہ غلط ہے۔ جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہیں ہونگی۔ یہ سن کر اسے طیش آگیا اور اس نے اہل مجلس سے کہا کہ تم نے میری بڑی ہتک کرائی ہے۔ اس پر ایک شخص نے عثمانؓ کو بُرا بھلا کہا۔ اور اس زور سے مکا مارا کہ ان کی ایک آنکھ نکل گئی۔ ولید کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ دیکھا میری پناہ میں سے نکلنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ اب بھی پناہ میں آجاؤ۔ حضرت عثمانؓ نے کہا۔ پناہ کیسی۔ میری تو دوسری آنکھ بھی انتظار کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلے۔ ان کے فوت ہونے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بوسہ دیا اور آپؐ کی آنکھوں سے اس وقت آنسو جاری تھے۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ ابراہیمؓ فوت ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا اَلْحِقْ بِسَلْفِنَا الصَّالِحِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ[۵۶] یعنی ہمارے صالح عزیز عثمان بن مظعون کی صحبت میں جا۔

پہلی کتب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی کتاب

دوسرا دعویٰ قرآن کریم کے متعلق یہ کیا گیا ہے کہ یہ پہلی کتب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ میں آتا ہے۔

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے۔ تیرے ہی درمیان سے۔ تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔"[۵۷]

اس میں یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ نبی جو آنے والا ہے وہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہوگا بلکہ ان کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوگا گویا وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہی ہوگا۔ نہ کہ کسی غیر قوم سے پھر اس کی علامت یہ بتائی کہ:۔

"جب وہ نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے۔ اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو۔ تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔"[۵۸]

اب دیکھو قرآن کی باتیں کیسی پوری ہوئیں۔ اور اس کی بیان کردہ پیشگوئیاں کس طرح سچی نکلیں۔ کفار نے جب رسول کریم ﷺ کے متعلق کہا کہ اس کی اولاد نہیں تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ہم اسے اولاد دیں گے۔ اور ابتر کہنے والوں کی اولاد ہی چھین کر دے دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی۔

حضرت مسیحؑ نے اس پیشگوئی کا مصداق ہونے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ یوحنا باب ۱ آیت ۲۱ میں لکھا ہے:۔

"انہوں نے اس سے پوچھا۔ پھر کون ہے۔ کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔"

اسی طرح اعمال باب ۳ میں لکھا ہے کہ وہ نبی مسیح کی بعثت ثانی سے پہلے اور بعثتِ اول کے بعد ظاہر ہو گا۔ بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

"سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے باتیں کیں ان سب نے ان دنوں کی خبر دی ہے۔"[۵۹]

یہ پیشگوئی رسول کریم ﷺ کے ذریعہ پوری ہوئی۔ کیونکہ آپ ان کے بھائیوں یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے تھے۔

اسی طرح یسعیاہ آنے والے نبی کی خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"تب قومیں تیری راستبازی اور سارے بادشاہ تیری شوکت دیکھیں گے۔ اور تو ایک نئے نام سے کہلائے گا۔ جسے خداوند کا مونہہ خود رکھ دے گا۔"[۶۰]

سوائے اسلام کے دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس کا نام خدا تعالیٰ نے رکھا ہو۔ چنانچہ اسلام کے متعلق ہی فرمایا ہے۔ وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ☆[۶۰]

دوسری پیشگوئی بھی اسی کے ساتھ لکھی ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

"تُو آگے کو متروکہ نہ کہلائے گی۔ اور تیری سرزمین کا کبھی پھر خرابہ نام نہ ہو گا۔ بلکہ تُو حفیصباہ کہلائے گی۔"[۶۱]

یہ پیشگوئی بھی اسلام کے متعلق ہی ہے۔ چنانچہ مکہ کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا [۶۲] جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے۔

پھر حضرت مسیحؑ کہتے ہیں۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔"[۶۳]

اب دیکھو۔ اس میں کتنی علامتیں رسول کریم ﷺ کی بیان کی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ آنیوالا نبی ایسی تعلیم دے گا جو مسیح تک کسی نے نہیں دی۔ گویا وہ سب سے بڑھ کر تعلیم دے گا۔

(۲) وہ ساری باتیں کہے گا۔ یعنی کامل تعلیم دے گا۔ اور اس کے بعد اور کوئی اس سے بڑھ کر تعلیم نہیں لائے گا۔

(۳) وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا۔ بلکہ کلام اللہ لائے گا۔

(۴) اس کلام اللہ میں آئندہ کی خبریں ہوں گی۔

(۵) وہ کلام مجھ (یعنی مسیحؑ) پر دشمنوں کے عائد کردہ الزامات کو دور کرے گا۔

یہ سب باتیں رسول کریم ﷺ پر صادق آتی ہیں۔ پہلی بات حضرت مسیحؑ نے یہ فرمائی تھی کہ وہ نبی ایسی تعلیم لائے گا جو پہلے کوئی نہیں لایا۔ قرآن کریم اس کے متعلق فرماتا ہے **عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ** یعنی قرآن کریم کے ذریعہ وہ وہ باتیں سکھائی گئی ہیں۔ جو کسی اور کو معلوم نہیں۔ دوسری بات حضرت مسیحؑ نے یہ بیان کی تھی کہ وہ ساری باتیں بتائے گا۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق آتا ہے۔ **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** آج سارا دین تم پر مکمل کر دیا گیا ہے۔ پھر سورہ کہف رکوع ۸ میں آتا ہے۔ **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ**۔[۶۴] ہم نے اس قرآن میں ہر ضروری بات کو مختلف پیرایوں میں بیان کر دیا ہے۔ تیسری بات حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی تھی کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ بلکہ خدا تعالیٰ اسے جو کچھ بتائے گا اسے پیش کرے گا۔ قرآن کریم میں بھی آتا ہے۔ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى**[۶۵] یہ رسول اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا بلکہ خدا ہی کا کلام پیش کرتا ہے۔ باقی سب کتابوں میں انبیاء کی اپنی باتیں بھی ہیں۔ صرف قرآن ہی ایک ایسا کلام ہے جو سارے کا سارا خدا کا کلام ہے۔ پانچویں بات حضرت مسیحؑ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نبی ان الزامات کو دور کرے گا جو مجھ پر لگائے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق سب لوگ

جانتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَلَدُ الزِّنَا کہا گیا تھا۔ اور لعنتی قرار دیا گیا تھا۔ قرآن نے ان الزامات کی پوری تردید کی۔

کُتبِ سماویہ کی تفصیل اب میں تیسری بات بیان کرتا ہوں کہ قرآن کریم کُتبِ سماویہ کی تشریح اور تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں علومِ روحانیہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اور انہیں کمال تک پہنچایا گیا ہے۔ میں اس کی ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

تورات میں لکھا تھا:۔

"تیری آنکھ مروت نہ کرے کہ جان کا بدلہ جان۔ آنکھ کا بدلہ آنکھ۔ دانت کا بدلہ دانت۔ ہاتھ کا بدلہ ہاتھ۔ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو گا۔"[۶۶]

اور انجیل میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ:۔

"تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے۔ دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کُرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے۔ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔"[۶۷]

مگر قرآن کریم نے کہا ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔[۶۸]

یعنی شرارت کے مطابق بدی کا بدلہ لے لینا تو جائز ہے۔ لیکن جو شخص معاف کر دے اور اس میں دوسرے کی اصلاح مد نظر رکھے اللہ تعالیٰ اسے خود اجر دے گا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

تورات نے ایک حصہ تو بیان کیا تھا اور دوسرا چھوڑ دیا تھا۔ اور انجیل نے دوسرا حصہ بیان کیا اور پہلا حصہ چھوڑ دیا۔ قرآن کریم نے اس تعلیم کو مکمل کر دیا۔ فرمایا۔ بدی کا بدلہ لے لینا جائز ہے۔ لیکن جو شخص معاف کر دے ایسی صورت میں کہ بدی نہ بڑھے اس کا اجر اللہ پر ہے۔ ہاں جو ایسے طور پر معاف کرے کہ معافی دینے پر ظلم بڑھ جائے تو اس سے خدا ناراض

ہوگا کیونکہ وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

صدقہ و خیرات اور مرد و عورت کے تعلقات کے متعلق تفصیلی احکام گذشتہ سال کے مضمون میں بیان کر چکا ہوں۔ اور بتا چکا ہوں کہ پہلی کتب میں ان امور کے متعلق صرف مختصر احکام دیئے گئے ہیں۔ مگر قرآن کریم نے ہر ایک حکم کی غرض اور اس کے استعمال کی حدود وغیرہ تفصیل سے بیان کی ہیں۔

دلائل و براہین سے مزین کلام

قرآن کریم کی چوتھی خصوصیت یہ بیان کی کہ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ ہر ایک امر کو دلیل سے بیان کرتا ہے اور شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ شک ہمیشہ ابہام سے پیدا ہوتا ہے۔ مگر قرآن کریم کے دعووں کی بنیاد مشاہدہ پر ہے۔ قرآن میں ہستی باری تعالیٰ' ملائکہ ' دعا' نبوت' انبیاء کی ضرورت' قضاء و قدر' حشر و نشر' جنت و دوزخ' نماز و روزہ' حج و زکوٰۃ اور معاملات وغیرہ کے متعلق دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ یونہی دعوے نہیں کئے گئے۔ مثلاً جنت کے متعلق آتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ[۶۹] ہم یہ نہیں کہتے کہ مرنے کے بعد تمہیں جنت ملے گی۔ اور تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مرنے کے بعد کیا معلوم جنت ملے گی یا نہیں۔ قرآن اسی دنیا میں جنت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ اور مومنوں کو اسی دنیا میں جنت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ دیا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔[۷۰] یعنی وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر استقامت سے اسلام کی تعلیم پر قائم رہتے ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں جو انہیں کہتے ہیں کہ تم غم نہ کرو۔ تم کو جنت کی بشارت ہو۔ گویا اسی دنیا میں انہیں خدا سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور جب خدا کا کلام مل گیا تو ریب کہاں رہ گیا۔

قرآن کریم کے ذریعہ صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا ظہور

پانچویں بات یہ بیان فرمائی کہ قرآن کریم کا اس حالت میں نزول ہوا کہ اس سے رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کی صفت کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں ہر فطرت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض انسانوں میں غصہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ انہیں عفو کی طرف توجہ دلائی جائے بعض میں دیوثی اور بے غیرتی ہوتی ہے انہیں غیرت کی تعلیم دی گئی۔ انجیل نے اس کا خیال نہیں رکھا اس نے ہر حال میں عفو کی تعلیم دی ہے اور تورات نے

عفو کا خیال نہیں رکھا ہر حالت میں سزا دینے پر زور دیا ہے۔ مگر قرآن نے دونوں قسم کے لوگوں کا خیال رکھا ہے۔ پھر ہر زمانہ کا خیال رکھا ہے۔ اور تمام دنیا کو دعوت دی ہے۔ چنانچہ فرمایا قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا ☆ [۱] کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پس قرآن کریم سے پہلی کوئی کتاب ایسی نہیں جس نے ساری دنیا کو دعوت دی ہو۔ انہوں نے دوسری قوموں کیلئے رستے بند کر دیئے۔ حضرت مسیح کا انجیل میں یہ قول موجود ہے کہ:-

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" [۱]

اور یہ کہ:-

"لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینی اچھی نہیں۔" [۲]

گویا مسیح نے بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو ہدایت دینے سے انکار کر دیا۔

مگر قرآن میں سب قوموں کے ماننے کے لئے خدا تعالیٰ نے سامان جمع کر دیئے۔ مثلاً

(ا) سارے نبیوں کی تصدیق کی۔ اس سے سب کے دلوں میں بشاشت پیدا کر دی۔ لیکن اگر کوئی ہندو عیسائی ہو تو اسے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بدھ اور کرشن جھوٹے ہیں۔ اور اگر کوئی عیسائی ہندو ہو۔ تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا قرار دینا پڑتا ہے۔ مگر کتنی خوبی کی بات ہے کہ قرآن نے کہہ دیا۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ [۳] ہم نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ہماری طرف سے نذیر نہ بھیجا گیا ہو۔ اس بنا پر رسول کریم ﷺ نے تمام اقوام سے کہہ دیا کہ مجھے قبول کر کے تمہیں اپنے بزرگوں کو جھوٹا کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی سچے تھے۔ ہاں ان میں اور مجھ میں یہ فرق ہے کہ ان کی تعلیم اس زمانہ کے لئے مکمل تھی جس میں وہ آئے۔ لیکن میں جو تعلیم لایا ہوں یہ ہر زمانہ کے لئے مکمل ہے۔

مفتری ہمیشہ ناکام ہوتا ہے

دوسری دلیل رسول کریم ﷺ کے مفتری نہ ہونے کی قرآن کریم یہ بیان کرتا ہے کہ مفتریوں کا ذکر کرنے کے بعد

فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ یُضٰعَفُ لَھُمُ الْعَذَابُ مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ [۴] یعنی لوگ کہتے ہیں کہ یہ نبی جھوٹ پیش کرتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کا جھوٹ بنانے والے تو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور وہ عذاب سے ہرگز بچ نہیں سکتے۔ ان کا عذاب لحہ بہ لحہ بڑھتا جاتا ہے اور وہ سچی بات سننے کی بھی طاقت نہیں رکھتے کُجا یہ کہ وہ سچی باتیں خود بنا سکیں۔ وہ عذاب سے گھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جب دنیا میں ان کا یہ حال ہوتا ہے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔

اس میں بتایا کہ مفتریوں کی تو یہ علامت ہوتی ہے کہ ان پر عذاب نازل ہوتا ہے مگر محمد رسول اللہ ﷺ پر تو کوئی عذاب نہیں آیا بلکہ خدا نے اس کی مدد کی ہے۔

دوسری علامت مفتری کی یہ ہوتی ہے کہ اس کا عذاب بڑھتا جاتا ہے۔ مگر اس رسول کی تو ہر گھڑی پہلی سے اچھی ہے۔

(۳) پھر مفتری کو اپنی تعلیم بدلنی پڑتی ہے۔ مگر کیا اس نے بھی کبھی قرآن کی کوئی بات بدلی پھر یہ مفتری کس طرح ہو سکتا ہے۔

وَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی کا صحیح مفہوم

دوسرا الزام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ لگایا گیا ہے کہ آپؐ نعوذ باللہ نبوت سے پہلے ضال تھے۔ اور بعد میں بھی گناہ آپؐ سے سرزد ہوتے رہے۔ ان الزامات کی بنا خود قرآن کریم ہی کی بعض آیات کو قرار دیا گیا ہے۔ ضال کے متعلق تو یہ آیت پیش کی جاتی ہے کہ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی [۵] ہم نے تجھے ضال پایا پھر ہدایت دی۔ اس کا جواب قرآن کریم کی ایک دوسری آیت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے ضلالت کی کلی طور پر نفی کر دی ہے۔ فرماتا ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی۔ [۶] ہم نجم کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ نجم اس بوٹی کو کہتے ہیں جس کی جڑ نہ ہو۔ فرمایا۔ ہم اس بوٹی کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں جس کی جڑ نہیں ہوتی۔ جب کہ وہ گر جاتی ہے۔ یعنی وہ جتنا اونچا ہونا چاہتی ہے اسی قدر گرتی ہے۔ اس شہادت سے تم سمجھ سکتے ہو کہ تمہارا یہ صاحب کبھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ راستہ سے دور ہوا۔ ضَلَّ ظاہری گمراہی کے لئے آتا ہے اور

غوٰی باطنی فساد کے لئے۔ جو فساد اعتقاد سے پیدا ہو۔

فرمایا جو بے جڑ کی بوٹی ہو۔ اس پر تو جتنے زیادہ دن گذریں اس میں کمزوری آتی جاتی ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا سے تعلق نہ ہوتا تو اس کی جڑ مضبوط نہ ہوتی اور یہ کمزور ہوتا جاتا اور خرابی پیدا ہو جاتی۔ مگر تم دیکھتے ہو کہ جوں جوں دن گذر رہے ہیں اسے زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل ہو رہی ہے اور یہ دن رات ظاہری اور باطنی طور پر ترقی حاصل کر رہا ہے۔ اگر ضلالت اس کے اندر ہوتی تو اس پر ضلالت والا کلام نازل ہوتا۔ مگر اس پر جو کلام نازل ہوا ہے۔ اسے دیکھو کیا اس میں کوئی بھی ہوائے نفس کا نشان ملتا ہے اگر یہ غاوی ہوتا تو شیطانی اثر اس کے کلام پر ہوتا۔ لیکن اس کا کلام تو پر شوکت اور قادرانہ کلام پر مشتمل ہے۔ شیطانی تعلقات والا انسان دنیا پر تصرف کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے سورۃ ضحیٰ میں بیان کیا ہے۔ فرماتا ہے۔ **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى** [7] تیری ہر پیچھے آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے۔ اب کیا یہ عجیب بات نہیں کہ یہاں تو کہا کہ تیری ہر پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے اچھی ہوتی ہے لیکن اسی سورۃ میں کہہ دیا کہ تو گمراہ تھا۔ آیا پچھلی گھڑی کا پہلی سے اچھی ہونا ضلالت کی دلیل ہوتا ہے؟

سورۃ ابراہیم رکوع ۴ میں آتا ہے۔ **اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ** [8] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کیسی باتیں بیان کرتا ہے۔ پاک کلمہ کی مثال ایک پاک درخت کی سی ہوتی ہے جس کی جڑ میں بڑی مضبوطی ہوتی ہے۔ اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔ اسی طرح صادق کی علامت یہ ہے کہ اس کی تعلیم ترقی کرتی ہے اور اس کی جماعت بڑھتی جاتی ہے۔ اب یہ رسول جو دن رات ترقی کر رہا ہے۔ اگر ضلالت پر ہوتا۔ تو جتنی زیادہ تعلیم بناتا۔ اسی قدر زیادہ نقص ہوتے۔ مگر اس کے کلام کی زیادتی تو اس کی تعلیم کو مکمل بنا رہی ہے۔

پھر بتایا۔ اگر یہ غاوی ہوتا تو شیطانی اثر اس کے کلام پر ہوتا۔ مگر اس کا کلام تو ایسا ہے کہ وہ **وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى** [9]

یہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ اس کا پیش کردہ کلام صرف خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے اور اس کو یہ کلام بڑی قوتوں والے خدا نے سکھایا ہے۔

ایک اور آیت بھی اس امر کو حل کرتی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۸ میں آتا ہے۔

وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا ۸۰ فرمایا۔ قریب تھا کہ لوگ تجھے عذاب میں مبتلا کر دیں۔ عام طور پر لوگوں نے غلطی سے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ رسول کو پھسلا لیں۔ مگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں پھسلا سکتے تھے۔ اس کے تو یہ معنی ہیں کہ قریب ہے کہ یہ لوگ تجھے سخت عذاب دیں اس کلام کی وجہ سے جو تجھ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ تو اس سے گھبرا کر کچھ تبدیلی کر لے۔ اور اگر ایسا ہو تو یہ ضرور تجھے دوست بنا لیں۔ لیکن ان کا خیال ایک جنون ہے وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۔ ۸۱ اگر ہم نے قرآن نہ بھی نازل کیا ہوتا تو بھی تیری فطرت ایسی پاک ہے کہ یہ بات تو بڑی ہے۔ تیری ان سے مشابہت پھر بھی معمولی سی ہوتی۔ مگر اب تو تجھے وحی الٰہی نے ایک صحیح راستہ دکھا دیا ہے۔ اب ان کی یہ خواہش کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

اب سوال ہوتا ہے کہ پھر وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی کا کیا مطلب ہوا۔ سو اس کا جواب خود اسی سورۃ میں موجود ہے۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی ایک زبردست دلیل دی گئی ہے۔ فرماتا ہے وَالضُّحٰی۔ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی۔ مَاوَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی۔ ۸۲ اے دنیا کے لوگو سنو! عین دوپہر کے وقت کو۔ اور رات کو جب وہ خوب ساکن ہو جاتی ہے اور اس کی تاریکی چاروں طرف پھیل جاتی ہے ہم اس بات کی شہادت میں پیش کرتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم نے کبھی نہیں چھوڑا۔ اور نہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہم کبھی ناراض ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ دوپہر اور آدھی رات اس بات کی کس طرح دلیل ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدا کبھی ناراض نہیں ہوا۔ اور نہ اس نے آپ کو چھوڑا۔ یہ ظاہر ہے کہ یہاں ظاہری دن رات مراد نہیں۔ بلکہ مجازی دن رات مراد ہیں۔ اور یہ محاورہ ہر زبان میں پایا جاتا ہے کہ رات اور دن سے خوشی اور رنج اور ہوش اور غفلت کا زمانہ مراد لیا جاتا ہے۔ رات تاریکی مصیبت اور جہالت کو کہتے ہیں۔ اور دن ترقی، روشنی اور علم کے زمانہ کو کہتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تیری عمر کی ان گھڑیوں کو بھی پیش کرتے ہیں جو خوشی کی تھیں اور ان کو بھی پیش کرتے ہیں جو رنج کی تھیں اور تیرے ہوش کے زمانہ کو بھی اور بچپن کے زمانہ کو بھی جو جہالت کا زمانہ ہوتا ہے۔ پھر اس زمانہ کو بھی جو نبوت سے پہلے کا تھا۔ اور اسے بھی جب

نبوت کا سورج طلوع ہو کر نِصْفُ النَّھَار پر آگیا۔ تجھ پر وہ زمانہ بھی آیا۔ جب کہ تو دایہ کی گود میں تھا۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا جو شباب کی تاریکی کا زمانہ ہوتا ہے۔ وہ زمانہ بھی آیا جب جذبات سرد ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ زمانہ بھی آیا۔ جب کہ ہر طرف تیرے دشمن ہی دشمن تھے اور تیرے لئے دن بھی رات تھا۔ پھر وہ زمانہ آیا جب ساری قوم تجھے امین اور صادق کہتی تھی۔ ان سب زمانوں کو دیکھ لو۔ کیا کوئی وقت بھی ایسا آیا ہے جب خدا تعالیٰ نے تیری نصرت سے ہاتھ روکا ہو اس کی ناراضگی کسی رنگ میں تجھ پر ظاہر ہوئی ہو۔ بعض لوگ آرام اور عزت حاصل ہونے پر بگڑ جاتے ہیں۔ مگر تجھے جب امن ہوا۔ امیر بیوی ملی۔ تیری قوم نے تیری عزت کی۔ اس وقت بھی تو نے اچھے کام کئے۔ پھر وہ زمانہ آیا کہ خدا نے اپنا کلام تجھ پر اُتارا۔ تب بھی تو فرمانبردار رہا۔ گویا تیری ہر آنے والی گھڑی پہلی سے اعلیٰ اور بہتر رہی ہے۔ اور خدا کی تائید اور اس کی پسندیدگی بڑھتی چلی گئی۔ اب دیکھو رسول کریم ﷺ کی صداقت کی یہ کتنی بڑی دلیل ہے۔ عجیب بات ہے۔ خدا تعالیٰ تو کہتا ہے کہ اس کی ساری زندگی بچپن سے لے کر آخر تک دیکھ لو۔ ایک لمحہ بھی اس کے لئے گمراہی کا نہیں آیا۔ اور خدا تعالیٰ نے اسے نہیں چھوڑا مگر نادان مخالف کہتے ہیں کہ آپ گمراہ تھے۔ اگر یہی گمراہی ہے تو ساری ہدایت اس پر قربان کی جاسکتی ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ تیرا ہر قدم ترقی کی طرف چلتا گیا۔ بچپن میں انسان بے گناہ ہوتا ہے۔ اگر نعوذ باللہ رسول کریم ﷺ بڑے ہو کر گمراہ ہو گئے تو آخرت اولیٰ سے بہتر نہ ہوئی۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیری ہر اگلی گھڑی پہلے سے اچھی تھی۔ اور جب ہر اگلی گھڑی اچھی تھی تو ضلالت کہاں سے آگئی۔

پھر فرماتا ہے وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۔ [۸۳] عنقریب اللہ تعالیٰ تجھے ایسے انعام دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ اس کے متعلق ہم قرآن کریم سے دیکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی وہ کونسی خواہش تھی جس کے پورا ہونے سے آپ خوش ہو سکتے تھے۔ سورہ کہف رکوع ا میں آتا ہے۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا [۸۴] اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو اپنے آپ کو اس لئے ہلاک کر رہا ہے۔ کہ لوگ ہمارے کلام پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہ خواہش تھی رسول کریم ﷺ کی کہ آپ ؐ کی قوم خدا تعالیٰ کے کلام کو مان لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ

رَبُّکَ فَتَرْضٰی تو نے دیکھا ہے کہ تیری ہر گھڑی کو ہم نے پہلی سے اچھا رکھا پھر کیا تمہاری یہ بات ہم رد کر دیں گے کہ تیری قوم ہدایت پا جائے۔ ہمیں اس خواہش کا بھی علم ہے اور اسے بھی ہم پورا کر دیں گے۔

پھر فرمایا۔ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ ۸۵ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یتیم تھا جب پیدا ہوا۔ اس یتیمی کے وقت سے خدا نے تم کو اپنی گود میں لے لیا۔ گویا کوئی وقت خدا کی گود سے باہر آپ پر آیا ہی نہیں۔ اٰوی کے معنی ہیں قرب میں جگہ دی۔ فرمایا اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی کیا خدا نے تم کو یتیم پا کر اپنے پاس جگہ نہیں دی۔ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی اب اس کے معنی اگر یہ کئے جائیں کہ تجھے گمراہ پایا پھر ہدایت دی تو یہ معنی یہاں چسپاں ہی نہیں ہو سکتے۔ پس اس کے یہی معنی ہیں کہ ہم نے تجھ میں محبت کی تڑپ دیکھی اور دنیا کی ہدایت کا سامان دے دیا۔ ان معنوں کی تائید ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے تو انہیں گھر والوں نے کہا۔ تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ۸۶ یوسف کی پرانی محبت تیرے دل سے نکلتی ہی نہیں۔ تو ابھی تک اسی پرانی محبت میں گرفتار ہے۔ وہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کو گمراہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ یوسف علیہ السلام کی محبت میں کھویا ہوا سمجھتے تھے۔ اس لئے ضَلَال کا لفظ انہوں نے شدت محبت کے متعلق استعمال کیا۔ پس وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی کے یہ معنی ہیں کہ جب تو جوان ہوا اور تیرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ خدا سے ملے بغیر میں آرام نہیں پا سکتا تو ہم نے تجھے فوراً آواز دی کہ آجا میں موجود ہوں۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے معلوم ہے کہ جب ہم نے ہدایت دی تو وہ تیرے نفس کے لئے ہی نہ تھی بلکہ ساری دنیا کیلئے تھی۔ پس لوگ تیرے پاس آئے اور مختلف طبائع کے لوگ آئے پھر ہم نے ان کی کفالت کیلئے قرآن کے ذریعہ تجھے وہ رزق دیا جو ہر فطرت کے انسان کیلئے کافی تھا۔ پس وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ۸۷ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تجھے کثیر العیال پایا اور اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۸۸ پس اب تو بھی ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا کہ ان کی طاقتیں کچلی جائیں۔ نہ اتنی رعایت کرنا کہ بگڑ جائیں۔ اس آیت میں ضَآلّ کے مقابل پر سَآئِل رکھا گیا ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہاں بھی ضَآلّ سے مراد خدا کی محبت کے طلبگار کے ہیں۔ بہرحال فرمایا کہ جب کوئی تمہارے پاس ہدایت حاصل کرنے

کیلئے آئے تو انکار نہ کرنا بلکہ وہ ہدایت جو ہم نے تجھے دی ہے اسے ساری دنیا میں پہنچانا۔

ضَالّ کے جو معنی میں نے اس وقت کئے ہیں اس کے خلاف کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَوَجَدَکَ ضَآلاًّ فَهَدٰی۔** ہم نے تجھے ضال پایا اور اس کے نتیجہ میں ہدایت دی۔ اور دوسری طرف فرماتا ہے۔ **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ** ۸۹؎ کہ فسق کے نتیجہ میں کبھی ہدایت نہیں ملا کرتی۔ پھر ضَالّ کے معنی گمراہ کس طرح کئے جا سکتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے۔ **وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ۔** ۹۰؎ جب ان کے پاس کوئی نشان آتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔ ہم اسے نہیں مان سکتے۔ جب تک ہمیں ویسا ہی کلام نہ ملے جو رسولوں کو ملا۔ اللہ سب سے زیادہ جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کہاں رکھے۔ یہ گناہگار لوگ ہیں۔ ان کو تو ذلت ہی ملے گی۔ اس آیت میں صاف طور پر بتا دیا کہ گناہ کے نتیجہ میں ذلّت حاصل ہوتی ہے نہ کہ ہدایت۔

ذَنب اور اِستِغفَار کی حقیقت

پھر یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول کریم ﷺ **نَعُوْذُ بِاللّٰهِ** گناہگار تھے۔ اس کے لئے **ذَنب** اور **اِستِغْفَار** کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں۔ لیکن عام طور پر لوگوں نے اس کے معنی نہیں سمجھے۔ **اِستِغْفَار** کے یہ معنی بھی ہوتے ہیں کہ جو مشکلات کسی کے رستہ میں حائل ہوں ان کو ڈھانپ دیا جائے۔ اسی طرح **ذَنب** کے معنی گناہ کے بھی ہوتے ہیں اور غیر ضروری باتوں کے بھی۔ پس **غفر** کے معنی ڈھانکنے اور ذَنب کے معنی زوائد کے ہیں۔ جب رسول کریم ﷺ کے متعلق **اِستِغفَار** کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد آپؐ کے رستہ کی مشکلات کا دور ہونا ہوتا ہے۔ اور جہاں **ذَنب** کا لفظ آتا ہے وہاں زوائد کا دور کیا جانا مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو سورۃ نساء رکوع ۱۶ میں پہلے جنگ کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ** ۹۱؎ اے محمد رسول اللہ جب ہم حکومت دیں گے تو کچھ لوگ ایسے ہونگے جو دین کی باتوں میں خیانت سے کام لیں گے اور کجی کا راستہ اختیار کریں گے ان سے لڑنے کی طرف توجہ نہ کرنا۔ بلکہ بجائے اس کے خدا تعالیٰ سے دعائیں کرنا کہ ان کی یہ کمزوری

دور ہو جائے۔ (۲) سورہ مومن رکوع ۶ میں بھی پہلے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا [۹۲] فرما کر نصرت کا ذکر کیا ہے اور پھر وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْکَارِ [۹۳] میں استغفار اور تسبیح کا حکم دیا ہے سورۃ محمد رکوع ۲ میں بھی پہلے ساعت کے آنے کا ذکر ہے یعنی فتح کا۔ اور پھر وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ [۹۴] فرماتا ہے۔ (۴) سورۃ نصر میں بھی پہلے فتح کا ذکر ہے۔ اور پھر آتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ [۹۵] (۵) سورۃ فتح میں بھی پہلے فتح کا ذکر ہے اور پھر غفر کا۔ فرمایا۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ [۹۶] ان سب حوالوں میں فتح کے ساتھ ذَنْب یا اِسْتِغْفَار کا ذکر ہے۔ یعنی یا تو فتح کے وعدہ کے بعد یا فتح کے ذکر کے بعد۔ چار جگہوں میں تو فتح کے وعدہ کے ساتھ استغفار کا ذکر کیا ہے۔ اور ایک جگہ فتح مبین کا ذکر ہے اور وہاں لِیَغْفِرَ کہا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ تیری دعا سنی گئی اور ہم نے عام فتوحات کی بجائے تجھے فتح مبین عطا کی ہے تاکہ تیرے ذَنْب بخشے جائیں۔

اب دیکھنا یہ چاہئے کہ کسی کو فتح و نصرت کا ملنا کیا گناہ ہے اور ہر جگہ فتح کے ساتھ یہ الفاظ کیوں آئے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ استغفار اور ذنب کسی اور قسم کا ہے۔ اگر گناہ مراد تھا تو چاہئے تھا کہ کسی گناہ کا ذکر کیا جاتا۔ مگر ایسا تو ایک جگہ بھی نہیں کیا گیا۔ بلکہ بجائے اس کے یہ بتایا کہ ہم تجھے فتح و نصرت دیتے ہیں۔ تو استغفار کر۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس کے معنی کچھ اور ہیں۔ اور وہ یہ کہ فتح کے ساتھ جو لوگ سلسلہ بیعت میں شامل ہو جاتے ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں ان کی تربیت پوری طرح نہیں ہو سکتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے زوال کا وقت اسی دن سے شروع ہو جاتا ہے۔ جب کہ فتوحات شروع ہوتی ہیں۔ اور لوگوں کی تربیت اچھی طرح نہیں ہو سکتی۔ جب لاکھوں مسلمان ہو گئے اور وہ سارے ملک میں پھیلے ہوئے تھے تو ان کی تربیت ناممکن تھی۔ اس لئے فرمایا یہ بات بشریت سے بالا ہے کہ اتنے لوگوں کی پوری طرح تربیت کی جا سکے۔ ان کی تربیت خدا ہی کر سکتا ہے۔ اس لئے دعائیں کر کہ خدایا تو ہی ان کی نیک تربیت کا سامان پیدا فرما۔ اور پھر خوشخبری دی کہ ہم نے تمہاری دعائیں سن لی ہیں۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ ہم تجھ کو جو فتح عظیم دیں گے وہ ایسی صورت میں دیں گے کہ وہ فتح مبین ہو گی۔ حق و باطل میں تمیز کر دینے والی ہو گی اور صرف جسموں پر ہی نہیں ہو گی۔ بلکہ دلوں پر

بھی ہوگی۔ لوگ منافقت سے اسلام میں داخل نہیں ہونگے۔ بلکہ دین کے شوق کی وجہ سے ہونگے۔ اور یہ فتح ہم نے اس لئے دی ہے کہ تربیت کا پہلو مضبوط ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حق کو واضح کر کے تربیت کے پہلو کو مضبوط کر دیا اور ایسے نائب آپؐ کو بخشے جو ہمیشہ کیلئے دین کے محافظ ہو گئے۔ دیکھ لو۔ ایک تو وہ وقت تھا کہ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مکہ چھوڑ کر اس لئے بھاگ گیا کہ جہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو وہاں میں نہیں رہ سکتا۔ مگر پھر وہ وقت آیا کہ وہ مسلمان ہوا اور ایسا مخلص مسلمان ہوا کہ ایک جنگ میں دشمن چُن چُن کر صحابیوں کو مار رہے تھے۔ عکرمہ نے کہا۔ یہ بات مجھ سے دیکھی نہیں جاتی کوئی ہے جو دشمن کے مقابلہ کیلئے میرے ساتھ چلے۔ اس طرح کچھ آدمی ساتھ لئے اور جرنیل سے اجازت لے کر دشمن پر جس کی تعداد ساٹھ ہزار تھی حملہ کر دیا اور عین قلب پر حملہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کو شکست ہوگئی۔ اور وہ بھاگ گئے۔ اس وقت عکرمہ کو دیکھا گیا تو وہ دم توڑ رہے تھے۔ ان کی پیاس محسوس کر کے جب پانی لایا گیا۔ تو انہوں نے کہا۔ پہلے میرے ساتھی کو پانی پلاؤ۔ اس ساتھی نے دوسرے کی طرف اشارہ کر دیا اور دوسرے نے تیسرے کی طرف وہ سات نوجوان تھے جو زخموں کی وجہ سے دم توڑ رہے تھے۔ مگر کسی نے پانی کو مونہہ بھی نہ لگایا۔ اور ہر ایک نے یہی کہا کہ پہلے فلاں کو پلاؤ مجھے بعد میں پلا دینا۔ جب سب نے انکار کر دیا تو وہ پھر عکرمہ کے پاس آیا۔ دیکھا تو وہ فوت ہو چکے تھے۔ اس کے بعد اس نے دوسروں کو دیکھا تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔

غرض خدا تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو صرف ظاہری فتح ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ ظاہری فتح کے ساتھ قلوب کی فتح بھی عطا کی۔

رسول کریم ﷺ کا بلند ترین مقام

پھر قرآن نہ صرف یہ کہ رسول کریم ﷺ کو بے گناہ قرار دیتا ہے بلکہ نہایت اعلیٰ درجہ کا انسان قرار دیتا ہے۔ فرماتا ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارا نبی گنہگار ہے۔ اگر دشمن ایسا کہتے ہیں تو وہ بکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تو بڑے اعلیٰ اخلاق والا ہے۔

پھر فرمایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ [۹۷] اے محمد رسول اللہ! کیا ہم نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا۔

پھر فرماتا ہے۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ [۹۸] تمہارے لئے

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے اس کے پیچھے چل کر تم نجات پا سکتے ہو۔

پھر اس سے بھی بڑا درجہ آپ کا یہ بیان فرمایا۔ کہ آپ دوسروں کو پاک کرنے والے ہیں۔ فرماتا ہے۔ **كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ۔** [۹۹] ہم نے تم میں سے ہی ایک رسول بھیجا ہے۔ جو ہماری آیتیں پڑھ کر تمہیں سناتا ہے اور گناہگاروں کو پاک بناتا ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر فرمایا۔ **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔** تو کہدے کہ اے ماننے والو یا مجھ پر اعتراض کرنے والو۔ اگر تم اللہ کا محبوب بننا چاہتے ہو تو آؤ اس کا طریق میں تمہیں بتاؤں۔ جس طرح میں عمل کرتا ہوں۔ اسی طرح تم بھی عمل کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ تم کو بھی اپنا محبوب بنا لے گا۔

پھر اس سے بھی آگے ترقی کی اور فرمایا کہ محمد رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) تو وہ ہے۔ کہ اس پر جو کلام نازل ہوا ہے۔ اسے بھی ہم کسی ناپاک کو چھونے نہیں دیتے۔ پھر کیا اس کلام کو لانے والا ناپاک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا **اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔** [۱۰۰] یہ قرآن بڑی عظمت والا ہے۔ یہ اس جگہ خدا نے رکھا ہے جہاں کوئی گندہ شخص اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اور اسے مطہر کے بغیر کوئی چھو ہی نہیں سکتا۔ پھر جس پر یہ کلام نازل ہوا اسے ناپاک کس طرح کہہ سکتے ہو۔

پھر فرمایا۔ ہم نے اسے وہ کتاب دی ہے جس کو آج ہی نہیں بلکہ آئندہ بھی کوئی ناپاک نہیں چھو سکے گا۔ **بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ۔ كِرَامٍ بَرَرَةٍ** [۱۰۱] یہ ہمیشہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی جو دور دور سفر کرنے والے اور نہایت معزز اور اعلیٰ درجہ کے نیکو کار ہونگے۔

اس وقت یہ دو ہی اعتراض بیان کئے جا سکے ہیں اور وہ بھی بہت مختصر طور پر۔ اب میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ دوستوں کو جو اس جلسہ میں شامل ہوئے ہیں اپنی نعمتوں کا وارث بنائے۔ اور وہ جنہوں نے مہمان نوازی میں حصہ لیا ہے۔ مرد اور عورتیں' چھوٹے اور بڑے ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ پھر ان پر اپنا فضل نازل کرے جن کے دل اس جلسہ میں شامل ہیں گو وہ خود نہیں آ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے سب لوگوں کو توفیق دے کہ جو نور اور صداقت انہیں حاصل ہوئی ہے وہ دنیا کو پہنچائیں۔ ہماری جماعت کے خطا کاروں کو نیک

بناوے۔ ہماری جماعت کے کمزوروں کو مضبوط بناوے۔ ہماری جماعت کے بیماروں کو شفا دے۔ ہماری جماعت کے مقروضوں کو قرض سے سبکدوش کرے۔ جن میں ایمان کی کمزوری ہے ان کی اس کمزوری کو دور کرے۔ ہماری جماعت کے مبلغوں کی مدد اور تائید کرے خدا کے فرشتے ان کی حفاظت کریں۔ وہ اللہ کے محبوب بن جائیں۔ ان کے اعمال' ان کی زبانوں اور ان کی فکروں میں برکت دے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کے ہر فرد کو خواہ وہ کہیں ہو۔ اس جلسہ کی برکات میں شریک کرے۔ پھر ہندوؤں' سکھوں' عیسائیوں' دہریوں غرضیکہ سب کے قلوب کو کھول دے۔ تاکہ سب ابن آدم ہو کر بھائیوں کی طرح رہیں۔

پھر میں دوستوں سے خواہش کرتا ہوں کہ جو باتیں انہوں نے جلسہ میں سُنی ہیں ان پر عمل کریں۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ اور میں دوستوں سے بھی امید کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے دعا کریں گے کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنے فرائض کی ادائیگی کی توفیق دے اور جو ذمہ داری اس نے مجھ پر رکھی ہے۔ اس میں مجھے سرخرو کرے۔ یہ بہت بڑا بوجھ ہے اور کوئی انسان بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے اسے اٹھا نہیں سکتا۔ اس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے اور اس میں خطرات بھی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا رحم فرمائے۔ تاکہ جب میں اس کے سامنے حاضر ہوں تو میں نے کیا کہنا ہے وہی خوشخبری دے کہ تو نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

میں پھر دوستوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کامل الایمان بنائے اور اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ ہم ایسی جماعت بن جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائے۔ اور ہم اس سے راضی ہوں۔ آمین

---

۱ التوبة:۶ ۲ البقرة:۷۶ ۳ البقرة:۷۷

۴ الفتح:۱۶ ۵ النساء:۱۶۵ ۶ البقرة:۱۰۲

۷ الفاتحة:۲

۷ استثناء باب ۳۴ آیت ۵ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۸ خروج باب ۳ آیت ۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۹ Life of Mahomet By William Muir p.560 published in London 1877

۱۰ النجم:۴، ۵

۱۱ Life of Mahomet by William Muir P.550 Published in London 1877.

☆۱۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۱ مطبع میمنہ مصر ۱۳۱۳ھ

۱۲ الانعام:۱۲۵، ۱۲۶ ۱۳ حٰمٓ السجدۃ:۳۹ ۱۴ یونس:۱۷

۱۵ الاحزاب:۲۲ ۱۶ اٰل عمران:۳۲ ۱۷ الحجر:۷

۱۸ القلم:۲تا۷ ۱۹ الانبیاء:۶ ۲۰ الانبیاء:۱۱

۲۱ ص:۵ ۲۲ القمر:۳ ۲۳ القمر:۶

۲۴ الفرقان:۹ ۲۵ الفرقان:۲۲تا۲۷ ۲۶ الفرقان:۳۱

۲۷ بنی اسرائیل:۴۸ ۲۸ الفرقان:۱۰ ۲۹ المائدۃ:۶۸

۳۰ الحاقۃ:۴۳ ۳۱ الطور:۳۰

☆۳۱ ارڑپوپو: نجوی۔ احمق۔ ضدّی

۳۲ الحاقۃ:۳۹تا۴۸ ۳۳ یٰسٓ:۷۰، ۷۱ ۳۴ الدخان:۱۴، ۱۵

۳۵ النحل:۱۰۳، ۱۰۴ ۳۶ الفرقان:۵ تا ۷

☆۳۶ جبر: حضر موت کے ایک عیسائی خاندان کا غلام۔ حضور جبر کے مکان کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بارے میں کفار نے کہا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھاتا ہے۔ بعد میں یہ بھی مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

(اسلامی انسائیکلوپیڈیا صفحہ ۶۵۰ مطبوعہ ۲۰۰۰ء لاہور)

۳۷ روح المعانی جلد ۵ (الجزء الرابع عشر) صفحہ ۲۳۳ مکتبہ امدادیہ ملتان

۳۸ A Comprehensive commentary on the Quran By the Rev.E.M WherryM.A Vol.III P.47 Published in London 1896.

۳۹ لوقا باب ۱۱ آیت ۱۴ تا ۱۸ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۴۰ العلق: ۱تا آخر ☆۴۰ النحل:۱۰۴

☆☆۴۰ سیرت ابن ہشام (عربی) جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ تا ۳۷۱ مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۳۶ء۔

۴۱ الفرقان:۷

۴۲ بخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم

۴۳ الشعراء:۲۱۱ ۴۴ التکویر:۲۶ ۴۵ النجم:۲۰،۲۱

۴۶ الحج:۵۳ ۴۷ النجم:۲۲تا۲۴ ۴۸ الشعراء:۲۱۱،۲۱۲

۴۹ الشعراء:۲۲۲تا۲۲۴ ۵۰ الانعام:۱۲۲ ۵۱ النحل:۱۰۰،۱۰۱

۵۲ النحل:۱۰۲ ۵۳ یونس:۳۸،۳۹ ۵۴ النمل:۶۶

۵۵ الانبیاء:۴۵

۵۶ شرح مواھب اللدنیة جلد۱ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ

۵۷ استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء

۵۸ استثناء باب ۱۸ آیت ۲۲ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۵۹ اعمال باب ۳ آیت ۲۴ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۶۰ یسعیاہ باب ۶۲ آیت ۲ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

☆۶۰ المائدة:۴

۶۱ یسعیاۃ باب ۶۲ آیت ۴ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور مطبوعہ ۱۹۰۶ء

۶۲ اٰل عمران:۹۸

۶۳ یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲، ۱۳ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۲۲ء

۶۴ الکھف:۵۵ ۶۵ النجم:۴،۵

۶۶ استثناء باب ۱۹ آیت ۲۱ نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی مرزاپور مطبوعہ ۱۸۷۰ء

۶۷ متی باب ۵ آیت ۳۸ تا ۴۱ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء

۶۸ الشوریٰ:۴۱ ۶۹ الرحمن:۴۷ ۷۰ حٰمٓ السجدة:۳۱

☆۷۰ الاعراف: ۱۵۹

۷۱ متی باب ۱۵ آیت ۲۴ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۹۴ء

۷۲ متی باب ۱۵ آیت ۲۶ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور مطبوعہ ۱۹۲۲ء

۷۳ فاطر:۲۵ ۷۴ ھود:۲۱تا۲۳ ۷۵ الضحیٰ:۸

۷۶ النجم:۲،۳ ۷۷ الضحیٰ:۵ ۷۸ ابراھیم:۲۵

۷۹ النجم:۴تا۶
۸۰ بنی اسرائیل:۷۴
۸۱ بنی اسرائیل:۷۵
۸۲ الضحٰی:۲تا۴
۸۳ الضحٰی:۶
۸۴ الکهف:۷
۸۵ الضحٰی:۷
۸۶ یوسف:۹۶
۸۷ الضحٰی:۹
۸۸ الضحٰی:۱۰،۱۱
۸۹ المائدة:۱۰۹
۹۰ الانعام:۱۲۵
۹۱ النساء:۱۰۶،۱۰۷
۹۲ المومن:۵۲
۹۳ المومن:۵۶
۹۴ محمد:۲۰
۹۵ النصر:۴
۹۶ الفتح:۲،۳
۹۷ الانشراح:۲
۹۸ الاحزاب:۲۲
۹۹ البقرة:۱۵۲
۱۰۰ الواقعة:۷۸تا۸۰
۱۰۱ عبس:۱۶،۱۷